خلافت راشدہ	بسم اللہ الرحمن الرحیم	حق چار یار
شمارہ نمبر ۵۱	وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝	اگست ۲۰۲۶ء

مجلہ پشاور

راہ ہدایت

- مسئلہ سماع موتیٰ زمانۂ صحابہؓ سے اختلافی ہے مگر "تکفیر" فتنہ مماتیہ کی ایجاد ہے
- غیر مقلدین کی طرف حجیتِ اجماع وقیاس کا انکار
- مناظرہ استشفاع عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم
- حجیتِ حدیث اور فتنہ منکرین حدیث
- رفع یدین کے مسئلہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے مکالمہ کی حقیقت

مدیر اعلیٰ
حضرت مولانا خیر الامین قاسمی صاحب حفظہ اللہ

نائب مدیر
خادم اہلسنت طاہر گل دیوبندی

ناشر
نوجوانان احناف طلباءِ دیوبند پشاور
03428970409

اہل السنۃ والجماعۃ احناف دیوبند کے افکار و نظریات کا امین

مجلہ راہ ھدایت پشاور

نوٹ: مجلّہ راہِ ہدایت کے تمام شمارے صرف PDF کی صورت میں دستیاب ہیں!

03428970409

مولانا خیر الامین قاسمی صاحب حفظہ اللہ

حجیت حدیث اور فتنہ منکرین حدیث

ہمارے کے پی کے میں انکار حدیث بہت زور شور سے پھیل رہا ہے۔ کے پی کے میں بانی مبانی اس کا "مفتی منیر شاکر" علیہ ماعلیہ ہیں۔ جو بنیادی طور جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے رکن رکین تھے۔ کچھ امارت اور تنظیم کے عہدے کے طالب تھے نہ ملنے پر جماعت سے الگ ہوئے اور پھر جماعت اشاعت التوحید نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی ان کی مخالفت میں۔ مجبوراًوہ پرویزی افکار کے مبلغ بن گئے۔ ان کے ویڈیوز میں مختلف ضروریات دین سے انکار اور استہزاء موجود ہے تقریبا۵۴ خطرناک زہریلے نظریات پھیلانے کے بعد ایک دھماکے میں مر کر مٹی میں مل گئے۔ ان ان کی اولاد واحفاد ان کے لیے ایصال عذاب بن کر کام کررہے ہیں۔ جماعت کا نام رکھا ہے نداء قرآن، جو چند افراد پر مشتمل ہے۔ آئے دن ضروریات دین وضروریات اہل السنت کا انکار واستہزاء کررہے ہیں۔

پچھلے دنوں حجیت حدیث کے عنوان پر غیر مقلدین اور منکرین حدیث کے درمیان پشاور میں مناظرہ منعقد ہوا۔ جس میں شیخ ریاض اللہ صاحب اور شیخ ابوعافیہ نے حدیث کی حجیت پر خوب گفتگو کی اور تمام امت مسلمہ کی طرف سے وکالت کرکے فرض کفایہ ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ غیر مقلدین کے تمام جماعتیں خراج تحسین کے مستحق ہیں کہ اس فتنہ کی سرکوبی کی۔ ہمارا ان کے ساتھ اصولی وفروعی اختلاف اپنی جگہ۔ لیکن حجیت حدیث اور حفاظت حدیث کا نظریہ ہم سب کا متفق عقیدہ ہیں۔

حجیت حدیث

امام اہل سنت شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ”حجیت حدیث“ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”جس طرح قرآن کریم دینی مسائل میں حُجّت ہے اسی طرح حدیث شریف بھی حُجّت ہے۔ اس پر قرآنی دلائل

پہلی دلیل

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّىَ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

[سورہ نساء:65]

○ اگر نبی علیہ السلام کا فیصلہ نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ حَتَّىَ يُحَكِّمُوكَ فرما کر ایمان کی نفی نہ فرماتے۔

دوسری دلیل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلاً

[سورہ نساء:59]

○ اس سے معلوم ہوا کہ مومنوں پر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولی الامر کی اطاعت بھی لازم ہے۔ یعنی اگر تنازع اور اختلاف ہو تو اس تنازع اور اختلاف کے بعد فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ کے الفاظ یہ تصریح کر رہے ہیں کہ اختلاف کو اللہ تعالیٰ کی طرف یعنی کتاب کی طرف اور رسول کی طرف لوٹایا جائے۔ ان کے تشریف لے جانے کے بعد ان کی سنت کی طرف لوٹانا۔ اس آیت کریمہ میں بھی آپ کی اطاعت اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف فیصلہ لوٹانے کو مدارِ ایمان ٹھہرایا گیا ہے۔

تیسری دلیل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لاَ يُحِبُّ الْكَافِرِينَ

[سورہ آل عمران:31-32]

○ اگر حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت ضروری نہ ہوتی تو قرآن کریم کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ اعلان نہ کرواتے فَاتَّبِعُونِي اور یہ بھی کہ اطاعت نہ کرنے والوں کو کافرین سے تعبیر نہ فرماتے۔ یاد رہے کہ اتباع فعل میں ہوتی ہے اور اطاعت قول میں۔

چوتھی دلیل

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ

[سورہ الحشر:7]

○ یہاں دو تفسیریں ہیں:

1. ایک تفسیر یہ ہے کہ مَاسے مالِ غنیمت اور فی وغیرہ مراد ہے جو کچھ نبی رسول صلی اللہ علیہ وسلم دیں لے لو اور جس سے روک دیں رک جاؤ۔

2. اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس حکم میں دیں وہ قبول کرو، اور جس چیز سے منع فرمائیں باز آجاؤ۔ نہی کا لفظ قرینہ ہے کہ **مَا آتَاكُمُ** میں امر مراد ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو قبول نہ کرنا اور اُن کی خلاف ورزی کرنا اللہ تعالیٰ کے عذاب کا موجب ہے۔ چنانچہ **إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ** کے الفاظ اس عذاب پر دل ہیں۔ اگرچہ ہمارا مستدل لفظی تفسیر ہے لیکن یہ تفسیر بھی **العبرة لعموم الفظ لا لخصوص السبب** کے تحت ہمارا مستدل بن سکتی ہے۔

پانچویں دلیل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ

الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے اذا قضی اللّٰہ کے بعد واو عطف کے ساتھ ورسولہ کا ذکر کیا ہے یعنی مومن مرد اور مومن عورت جس طرح اللہ تعالی کے فیصلے کے پابند اور مکلف ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے بھی پابند ہیں اور جس طرح ان کو اللہ تعالی کے فیصلے کے تسلیم کرنے سے کوئی چارہ نہیں اسی طرح اللہ تعالی کے رسول کے فیصلے کے ماننے سے بھی کوئی چارہ نہیں۔ اور آگے فرمایا جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو یہاں بھی واو عطف کے ساتھ حضور علیہ السلام کی نافرمانی کرنے والوں کو اسی طرح کاکھلا گمراہ قرار دیا جس طرح اللہ تعالی کی نافرمانی کرنے والوں کو۔ چنانچہ فرمان ہے:

وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا

چھٹی دلیل

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا

اس آیت کریمہ میں بھی صراحت کے ساتھ اس کا ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت جہنم میں لے جانے والی چیز ہے۔ اگر آپ کا قول وفعل حجت نہ ہوتا تو آپ کی مخالفت بھی جہنم میں لے جانے کا سبب نہ بنتی۔

ساتویں دلیل

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۚ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا

اس آیت کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ کے رسول کی اطاعت کو صفات محمودہ میں شمار کیا گیا ہے۔ مطیعین کا اتنا اچھا اجر اور ہوگا کہ ان کو حضرت انبیاء کرام علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور

صالحین کی معیت، قرب اور رفاقت نصیب ہو گی۔

آٹھویں دلیل

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا

وجہ استدلال: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف جھگڑا نزاعات اور جھگڑوں میں رجوع کرنا مومنوں کا کام ہے اور اعراض دلیل نفاق ہے۔

نویں دلیل

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ

اس آیت کریمہ میں بھی ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف مراجعت کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

دسویں دلیل

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرنا سخت مصیبت میں مبتلاء ہونے اور عذاب الیم کا شکار ہونے کی موجب ہے۔

(احسان الباری ص ۱۲ تا ص ۱۶)

یہ تو حجیت حدیث کا ثبوت قرآن کریم سے آپ حضرات کے سامنے پیش کیا۔ اس کے علاوہ بھی بے شمار

دلائل ہیں جو حجیت حدیث پر دلالت کرتے ہیں۔

چند اعتراضات کے جوابات

منکرین حدیث حدیث کی حجیت ہونے پر کئی اعتراضات کرتے ہیں لیکن اختصار کی وجہ سے ان کے دو اعتراضات کا جواب ذکر کرتا ہوں۔

اعتراض نمبر ا

پہلا اعتراض یہ کیا کہ حدیث قرآن کریم کو کہا جاتا ہے یعنی قرآن کریم میں جہاں جہاں حدیث کا لفظ آیا ہے اس سے مراد قرآن کریم ہیں نہ کہ احادیث مبارکہ؟

الجواب بعون الملک الوہاب

قرآن کریم نے صرف قرآن کو حدیث نہیں کہا ہے بلکہ حضور ﷺ کے اقوال وافعال کے متعلق بھی حدیث سے تعبیر فرمایا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ

(سورۃ الضحیٰ:11)

ترجمہ: "اور اپنے رب کی نعمت کا خوب ذکر (بیان) کرتے رہیں۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ اپنے رب کی نعمتوں کا "فَحَدِّثْ" یعنی بیان کریں، گفتگو کریں، لوگوں تک پہنچائیں۔

یہاں "حَدِّثْ" کا مادہ (ح د ث) ہے، جس سے حدیث بنا ہے۔ یعنی "حدیث" کا لغوی معنی بات کرنا، بیان کرنا، خبر دینا ہے۔

اسی طرح سورۃ التحریم میں فرمایا:

وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا

(التحریم:3)

ترجمہ: "اور جب نبی ﷺ نے اپنی بعض ازواج سے ایک بات (حدیث) راز کے طور پر کہی۔"

یہاں پر بھی حضور پاک کے گفتگو کو حدیث کہا ہے لہذا یہ کہنا کہ قرآن کے علاوہ حدیث نہیں، سراسر جہالت اور علمی یتیم ہونے کی دلیل ہے۔

اعتراض نمبر ۲

قرآن کریم نے ابراہیم علیہ السلام کو "وکان صدیقانبیا" کہا ہے جبکہ تمہارے بخاری میں ہے کہ انہوں نے تین جھوٹ بولے ہیں۔

پہلا جواب

قرآن کریم میں ہے "بل فعله کبیرهم هذا"

کہ ان بتوں کو بڑے بت نے کلہاڑی سے مارا ہے۔ اب سوال یہ ہے منکرین حدیث سے کہ بتوں کو تو ابراہیم علیہ السلام نے توڑا تھا اور ابراہیم علیہ السلام کہہ رہے ہیں کہ بڑے بت نے مارا ہے۔ اگر آپ اس کو توریہ کی بجائے جھوٹ کہتے ہیں اور الزام بخاری پہ لگاتے ہو تو معاذ اللہ پھر یہی جھوٹ بقول آپ کے قرآن کریم نے بھی بیان کیا ہے تو کیا آپ کے زعم کے مطابق بخاری کی طرح قرآن کو بھی چھوڑیں۔ فماهو جوابکم فهو جوابنا

دوسرا جواب

بحر العلوم سلطان المحققین علامہ خالد محمود رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ایک اور اعتراض

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ایک اور حدیث نقل کی جاتی ہے:

لم یکذب ابراهیم الا ثلث کذبات ثنتین منهن فی ذات الله قوله انی سقیم وقوله بل فعله کبیر هم هذا..... الحدیث

(صحیح مسلم، 2ص229)

اس میں کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے تین باتیں خلافِ واقعہ کہیں۔ ان میں سے دو کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔ ایک پ 23 سورہ الصافات آیت 89 میں اور دوسری پ 4 سورہ الانبیاء آیت 63 میں مذکور ہے۔ ظاہراً آپ نے یہ دونوں باتیں خلافِ واقعہ کہیں۔ اب قرآن کا ہر طالبعلم انہیں حل کرنے کے لیے کوئی توجیہ یا تاویل ضرور اختیار کرتا ہے۔ قرآن اور حدیث

میں اگر فرق ہے تو صرف یہ ہے کہ قرآن میں ان میں سے دو باتیں مذکور ہیں اور حدیث میں تین۔ اب دیانت اور شرافت کیا اس کی مقتضی نہیں کہ جس طرح ان میں سے دو باتوں کی توجیہ کی جاتی ہے اسی طرح تیسری بات کی بھی کوئی توجیہ کر لی جائے۔ ورنہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ قرآن میں بھی (معاذ اللہ) بہت غلط باتیں موجود ہیں اور اس طرح انکارِ حدیث انکارِ رسالت کی ایک سیڑھی قرار پائے گا۔ رہا یہاں لفظ کذب کا اطلاق۔ سو یاد رہے کہ یہ اردو کے لفظ جھوٹ سے بہت مختلف ہے۔ عرب مطلق خلافِ واقعہ بات پر بھی کذب کا لفظ بول دیتے ہیں۔ خواہ اس میں یعمد اور نیت نہ بھی ہو۔ علامہ خطابی نے معالم السنن میں اس کی تصریح کی ہے۔ (دیکھئے جلد: 1، ص: 133)

(آثار الحدیث ج ۲ ص ۵۱۹)

تیسرا جواب

اس روایت میں لفظ کذب آیا ہے لیکن مراد توریہ ہے۔

توریہ کی تعریف

توریہ لغت میں "وراء" سے ہے جس کے معنی چھپانے کے ہیں۔

اصطلاح میں: توریہ یہ ہے کہ متکلم کوئی ایسا لفظ بولے جس کے دو معنی ہوں ایک قریب اور مشہور، دوسرا بعید اور غیر مشہور۔ وہ سننے والے کو قریب والا معنی سمجھنے دے لیکن اس کی نیت بعید والے معنی پر ہو۔ اس سے مقصد جھوٹ بولنا نہیں ہوتا بلکہ ضرورت، حکمت، جان بچانے یا فتنہ سے بچنے کے لیے بات کو دوسرے انداز میں کہنا ہوتا ہے۔

شرط: توریہ میں نیت میں جھوٹ نہیں ہوتا۔ بولنے والے کے نزدیک وہ بات کسی معنی میں سچ ہوتی ہے۔

1. حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا توریہ

ہجرت کی رات جب کفار نے پوچھا کہ یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "رَجُلٌ يَهْدِينِي "یعنی" یہ ایک شخص ہے جو میری رہنمائی کرتا ہے۔"

کفار نے سمجھا "راستہ دکھانے والا راہنما"۔

لیکن حضرت صدیق کی نیت تھی "دین کی ہدایت کرنے والا" یعنی رسول اللہ ﷺ۔

اس طرح جان بچانے کے لیے توریہ کیا گیا، جھوٹ نہیں بولا گیا۔

صحیح بخاری میں ہے:

"لَمْ يَكْذِبْ إِبْرَاهِيمُ إِلاَّ ثَلاَثَ كَذَبَاتٍ"

وہ تینوں توریہ پر مبنی ہیں۔۔اس کی وضاحت:

1. "إِنِّي سَقِيمٌ"-سورہ الصافات 89

قوم بتوں کے پاس گئی تو حضرت ابراہیم نے کہا "میں بیمار ہوں"۔

توریہ: ظاہری معنی جسمانی بیماری۔ نیت: "میں تمہارے عمل سے بیمار ہوں" یعنی تمہارے شرک سے دل بیمار ہے۔

2. "بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا"-سورہ الانبیاء 63

بت توڑنے کے بعد کہا "یہ بڑے بت نے کیا ہو گا"۔

توریہ: ظاہری معنی کہ بڑے بت نے توڑا۔ نیت: "اگر یہ بول نہیں سکتے تو ان سے پوچھو کہ کس نے توڑا"۔ یعنی ان کو ان کے عجز کا احساس دلانا مقصود تھا۔

3. بیوی سارہ کے بارے میں "هذهِ أُخْتِي" کہنا

ظالم بادشاہ سے بچنے کے لیے کہا "یہ میری بہن ہے"۔

توریہ: ظاہری معنی نسبی بہن۔ نیت: "دین میں بہن ہے" کیونکہ تمام مومن آپس میں بھائی بہن ہیں۔

یہ تینوں "کذب" لغوی معنی میں تھے یعنی خلافِ ظاہر بات۔ شرعی معنی میں جھوٹ نہیں تھا۔ اس لیے حدیث میں "کذب" کا لفظ آیا لیکن مفہوم توریہ ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ عربی میں "کذب" کا اطلاق ہر خلافِ ظاہر بات پر ہو جاتا ہے چاہے نیت میں سچائی ہو۔

مولانا ثناء اللہ صفدر صاحب حفظہ اللہ

مسئلہ حلالہ

غیر مقلدین فقہ حنفی اور حدیث کے درمیان تضاد ثابت کرنے کی خاطر لوگوں سے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے حلالہ کرنے والے پر اور اس پر جس کیلئے حلالہ کیا جائے۔ مگر فقہ حنفی ایسے کام کو جو لعنت کا سبب ہے موجبِ حلت قرار دیتی ہے۔ اس کے علاوہ غیر مقلدین ایک نازیبا اور اخلاق سے عاری بات یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ احناف نے اپنے مدارس میں حلالہ کے نام سے سینٹر بنا کے رکھے ہیں بس جو بھی بیوی کو تین طلاق دیتے ہیں تو حنفی مولوی انکو حلالہ کی ترغیب دیتے ہیں وہ بیچارہ بھی حنفی مدارس کی طرف رجوع کرتے ہیں وہاں ساؤنڈ اؤں کی شکل میں طلباء کرام موجود ہوتے ہیں جو اس لعنتی کام کو بڑے شوق سے سر انجام دیتے ہیں۔

جواب

جواب میں ہم سب سے پہلے حلالہ کی دو قسمیں، پھر شروط حلالہ کے متعلق فقہ حنفی کا فیصلہ اور آخیر میں غیر مقلدین کے ایک شبہے کا جواب ذکر کرینگے۔

حلالہ کی اقسام

یاد رہے: حلالہ کی دو قسمیں ہیں۔

۱: غیر مشروط حلالہ:

یعنی کسی نے بیوی کو تین طلاقیں دے ڈالی پھر اس عورت نے کسی دوسرے سے بغیر کسی شرط لگائے ہوئے نکاح کرلی۔ اس دوسرے شوہر نے اپنی مرضی سے اس کو تین طلاقیں دے دی تو اب یہ عورت پہلے شوہر کیلئے نکاح شرعی کے ساتھ حلال ہے بس اسی کو غیر مشروط حلالہ کہا جاتا ہے۔

۲: مشروط حلالہ

یعنی کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی پھر کسی دوسرے سے ایک دو دن کیلئے اس شرط پر نکاح کرایا کہ تم نے اس کو ایک دو دن بعد طلاق دینا ہے تاکہ میرے لئے حلال ہو جائے اور میں دوبارہ اس سے نکاح کر سکو۔ پہلی قسم یعنی غیر مشروط حلالہ قرآن مجید سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ

(البقرہ:230)

یعنی اگر کسی آدمی نے طلاق دے دی عورت کو (تیسری دفعہ) تو پھر اس شخص کیلئے یہ عورت حلال نہیں ہے یہاں تک اس کے علاوہ کسی دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح نہ کرے۔ پھر اگر اس دوسرے شوہر نے بھی نے طلاق دے دی تو پھر کوئی گناہ نہیں سابقہ شوہر اور اس عورت پر کہ دوبارہ رجوع کرے۔

اس غیر مشروط حلالے کو قرآن نے ذکر کیا ہے اور اس غیر مشروط حلالے کو ہم اہل السنت والجماعت بھی مانتے ہیں اور غیر مقلدین بھی، یعنی یہ ایک اتفاقی اور جائز صورت ہے۔

حلالہ کی دوسری قسم مشروط حلالہ ہے۔ یہ مشروط حلالہ ہمارے احناف کے ہاں بھی لعنتی اور مکروہ کام ہے اسی مشروط حلالے کو حدیث پاک میں لعنتی کام قرار دیا گیا ہے۔

غیر مقلدین اس مشروط حلالہ کو حنفی مذہب قرار دے رہے ہیں جو کہ سراسر فقہ حنفی پر بہتان اور الزام ہے۔

مشروط حلالہ کے متعلق فقہائے احناف کا فیصلہ

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

واذا تزوجها بشرط التحليل فالنكاح مكروه، كقوله عليه السلام لَعَنَ اللهُ المُحَلِّلَ والمُحَلَّلَ له.

(ہدایہ جلد ۱، ج ۳۷۶)

یعنی جب عورت سے اس شرط کے ساتھ نکاح کیا جائے کہ وہ پہلے شوہر کیلئے اس کو حلال کردے تو یہ نکاح مکروہ ہے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ حلال کرنے والے پر اور جس کیلئے اس عورت کو حلال کیا گیا دونوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے۔

اسی طرح اہل السنت والجماعت حنفی مسلک کے مستند عالم دین مشہور مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید صاحب رحمہ اللہ اپنی تفسیر معالم العرفان میں سورۃ بقرہ حصہ دوم صفحہ ۴۰۳ پر ایک عنوان قائم کیا ہے "مشروط

نکاح" کے نام سے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

"اس وقت مروجہ حلالہ کی جو صورت ہے وہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب ہے یہ حلالہ مشروط نکاح کی صورت میں کیا جاتا ہے، جب دیکھتے ہیں کہ اب رجوع کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تو کسی دوسرے شخص کے ساتھ اس شرط پر نکاح کر دیا کہ وہ طلاق دے گا تاکہ پہلے خاوند سے نکاح ہو سکے اگرچہ اس طرح قانونی جواز تو پیدا ہو جاتا ہے مگر اس شرط کے تحت گناہ کبیرہ ہے ایسے حلالہ پر لعنت کی گئی ہے۔"

فقہ حنفی کی معروف و مشہور کتاب شامی میں بھی اس شرط نکاح کو مکروہ تحریمی قرار دیا گیا ہے فرماتے ہیں:

وكره التزوج الثاني تحريمًا لحديث لعن الله المحَلِّلَ والمحلَّلَ له كتزوجتک على ان احُلّلکِ وان حلت للاول لصحة النكاح وبطلان الشرط فلا يجبر على الطلاق

(شامي)

"مشروط نکاح مکروہ تحریمی ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کی گئی ہے اور جس کے ساتھ نکاح ہوا اس شخص کو طلاق دینے پر مجبور نہیں کیا جائیگا۔"

ایک شبہہ اور اس کا جواب

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ مشروط نکاح کو جب حدیث میں ملعون کام قرار دیا گیا ہے تو پھر اس کو نافذ کیوں کیا جاتا ہے؟ جس کام پر لعنت پڑگئی اسکو تو نافذ ہی نہیں ہونا چاہیے۔

جواب

ہر لعنتی عمل کو اس کا باطل ہونا لازم نہیں آتا اس لئے کہ شریعت میں کئی امور ایسے ہیں جن کے لعنتی ہونے کے باوجود ان کا اعتبار کیا گیا ہے۔

مثال اول: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

لعن الله المُستَوفات التي يدعُها إلى فراشه فتقول سوف حتى يغلبه عيناه.

(الجامع الصغير، ج۲، ص۲۴۷)

ہر ایسی عورت پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے جس کو خاوند اپنے بستر پر بلاتا ہے تو وہ کہتی ہے ذرا ٹھہر جا یہاں تک کہ اس آدمی کو نیند غالب آجاتی ہے۔

اب عورت کا خاوند کو اس انداز سے ٹالنا لعنتی عمل ہے مگر اس کی وجہ سے نہ تو یہ عورت اس کے نکاح سے نکل جاتی ہے اور نہ ہی کسی شرعی سزا کی مستحق ہے۔ مطلب یہ کہ حدیث پاک میں جس کام پر لعنت بھیجا گیا ہے وہ کام بیشک مذموم اور برا ہے مگر آگے اس کام کی وجہ سے دیگر معاملات اور کام خراب نہیں ہوتے۔

مثال دوم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لعن رسولُ اللهِ الرجلَ يلبس لُبْسَةَ المرأةِ ، والمرأةَ تلبس لُبْسَةَ الرجُلِ۔

(الجامع الصغیر، جلد ۲، ص ۲۴۶)

یعنی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے ایسے مرد پر جو عورتوں والا لباس پہنتا ہے اور اس عورت پر جو مردوں والا لباس پہنتی ہے۔

دیکھئے: مرد کا عورت والا لباس پہننا لعنتی عمل ہے مگر اس کے باوجود ستر ڈھانپنے کا فریضہ اس سے آدا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح حلالہ کے بشرط تحلیل کے لعنتی کام ہونے میں نہ تو کسی کو شک ہے اور نہ ہی اختلاف۔ اختلاف اس میں ہے کہ کیا اس لعنتی کام کے باوجود نکاح ہو جاتا ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ اور مجتہد فیہ ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ شرط تحلیل جیسے لعنتی کام کے باوجود دوسرے خاوند کا اس کو طلاق دینے کے بعد پہلے خاوند کے حلال ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں بنتی۔ جبکہ بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ حلالہ جیسی لعنتی شرط لگانے سے اس عورت کا نکاح ہی درست نہیں جب نکاح ہی صحیح نہ ہوئی تو یہ پہلے خاوند کیلئے حلال بھی نہیں ہوتی۔ مسئلہ تو مختلف فیہ ہے اس بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی قسم کی صراحت موجود نہیں۔

ہمارے امام امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نکاح کے ارکان ایجاب وقبول اور اس کے شرائط یعنی مہر اور گواہ پائے گئے ہیں اس لئے دوسرے شوہر سے نکاح ہو جاتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول میں اسی کی تائید پائی جاتی ہے۔ قاضی شوکانی غیر مقلد مصنف عبدالرازق کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ایک عورت نے کسی آدمی کو نکاح کا پیغام بھیجا تاکہ وہ اس سے نکاح کر کے پہلے خاوند کیلئے اس کو حلال کر دے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو حکم دیا۔

”ان يُقيم معها ولا يُطَلِّقَها واوعَدَه أن يُعاقبَه اِن طلقها فصَحّ نكاحه ولم يامُرْه باستنافهِ “

(نیل الاوطار ج۲،ص۱۴۹)

یعنی اس عورت کو اپنے نکاح میں ٹھہرائے رکھ اور اس کو طلاق نہ دے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس دوسرے شوہر کو طلاق دینے سے ڈرایا، اسکے باوجود حلالہ کی شرط کو صحیح قرار دیا اور نئے سرے سے اس کو نکاح کا حکم نہیں دیا۔

لہذا لعنتی کام کے باوجود نکاح صحیح ہے یہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہے اور احناف کا فیصلہ بھی اس باب میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے۔ مزید یہ کہ اس کے خلاف کوئی واضح اور اس سے قوی دلیل بھی موجود نہیں ہے۔

باقی رہا غیر مقلدین کا یہ اعتراض کہ جب حلالہ کو مکروہ کہا گیا ہے تو پھر اس کا اعتبار کر کے دوسرے خاوند کے ساتھ نکاح اور پھر پہلے خاوند کیلیئے اس کا حلال ہونا کیوں قرار دیا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض دفعہ کوئی فعل ممنوع ہوتا ہے مگر آگے اس کا نتیجہ معتبر سمجھا جاتا ہے جیسا کہ غیر مقلد عالم نے لکھا ہے:

بحالت حیض وطی حرام ہے مگر اس سے پیدا ہونے والی اولاد حلالی ہے۔

(فتاوی اہلحدیث ج 3، ص 73)

اسی طرح احناف کہتے ہیں کہ کہ حلالہ مکروہ ہے مگر اس کے نتیجے میں دی گئی طلاق کا اعتبار کر کے اس عورت کا پہلے خاوند کے ساتھ نکاح جائز رہیگا۔

مقام شکر ہے کہ احناف شرعی حلالہ کے قائل ہیں یعنی تین طلاقوں کے بعد عورت دوسرے شوہر سے نکاح کرتی ہے پھر بغیر حلالہ کی شرط لگائے ہوئے اگر دوسرا خاوند اپنی مرضی سے طلاق دیتا ہے تو احناف کہتے ہیں کہ یہ عورت پہلے والے خاوند سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے ان کا آپس میں تعلقات استوار کرنا صحیح جائز اور حلال ہے اسی لئے غیر مقلدین اور ہم سب اس کو حلالہ ہی کہتے ہیں نہ کہ حرامہ۔

اس کے برعکس غیر مقلدین کا نظریہ یہ ہے کہ ایک ہی مجلس میں دی گئی تین طلاقیں تین نہیں بلکہ ایک ہے۔ لہذا اہل السنت والجماعت کے نزدیک جس عورت کو خاوند کی جانب سے تین طلاقیں دے گئی تو اب انکا اکھٹے رہنا بالکل

حرام ہے جبکہ غیر مقلدین کے نزدیک یہ عورت تین طلاق کے باوجود حسب دستور پہلے خاوند کے ساتھ رہ سکتی ہے حالانکہ یہ چیز اب یقیناً حرامہ ہی کہلائیگی کیونکہ تین طلاقوں کے بعد بیوی کے ساتھ رہنا ایسا ہے جیسا کہ اجنبی عورت کے ساتھ ہی رہنا۔ لہذا احناف شرعی حلالہ کے قائل ہیں اور غیر مقلدین حرامہ ہی کے قائل وفاعل ہے۔

بس پسند اپنی اپنی۔

===

مفتی رب نواز حفظہ اللہ، مدیر اعلی مجلہ الفتحیہ احمد پور شرقیہ

غیر مقلدین کی طرف سے اجماع و قیاس کی حجیت کا انکار

(شیخ زبیر علی زئی کے جواب میں)

قرآن و حدیث سے اجماع اور قیاس کا حجت ہونا ثابت ہے، مگر افسوس کے قرآن و حدیث پر عمل کے دعوے دار فرقہ / غیر مقلدین میں ان دونوں کی حجیت تسلیم نہیں۔ اہلِ سنت نے جب آواز اُٹھائی کہ یہ لوگ اجماع و قیاس کی حجیت کے قائل نہیں، تو شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد اس کا جواب دیتے ہوئے یوں لکھا:

”اہلِ حدیث کے خلاف بعض جھوٹے اور فتنہ پرور لوگ یہ پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں کہ اہلِ حدیث کے نزدیک شرعی دلیلیں صرف دو ہیں قرآن و حدیث / تیسری کوئی نہیں۔“

[علمی مقالات: ۱۷/۳]

غیر مقلدین کی طرف سے اجماع کی حجیت کا انکار

اَب دیکھتے ہیں کہ غیر مقلدین کی طرف اجماع و قیاس کی حجیت کے انکار کو منسوب کرنا فتنہ پروری اور جھوٹ ہے یا حقیقت؟ درج ذیل حوالے ملاحظہ ہوں۔

شیخ سعید احمد یوسف زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:۔

”دینی امور معاملات و مسائل میں رہنمائی صرف کتاب و سنت ہی سے حاصل کرنی چاہیے لیکن اگر انہیں چھوڑ کر یا ان کے ساتھ دوسری تیسری اور چوتھی شے کی طرف رجوع کیا جائے گا تو اس میں سوائے گمراہی کے کچھ نہیں مل سکے گا۔“

[صحیفہ اہلِ حدیث یکم ربیع الآخر ۱۴۱۷ھ]

شیخ ثناء اللہ امر تسری غیر مقلد لکھتے ہیں:

”بہت سے اہلِ حدیث ایسے ہیں جو اجماع کے قائل نہیں بلکہ بعض قیاس کے بھی نہیں جیسے ... امام شوکانی، نواب صدیق حسن خان۔“

[اخبار اہل حدیث امر تسر، ۱۱/ جون ۱۹۱۵ء]

نواب صدیق حسن خان غیر مقلد لکھتے ہیں:

ترجمہ:"فی نفسہ اجماع کے ممکن ہونے میں، اس کے علم کے ممکن ہونے میں اور ہماری طرف اس کے منتقل ہونے میں اختلاف ہے، حق بات یہ ہے کہ یہ کچھ ممکن نہیں اور ان سب کو مان لینے کی صورت میں پھر بھی ان سب میں اختلاف ہے کہ اجماع شرعی حجت بھی ہے یا نہیں، جمہور کا مذہب تو یہ ہے کہ اجماع حجت ہے اور اس پر اکثر کی دلیل فقط نقل ہے نہ کہ عقل، حق یہ ہے کہ اجماع حجت نہیں اور اگر ہم مان بھی لیں کہ اجماع حجت ہے اور اس کا علم ممکن ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ جس چیز پر اجماع ہوا ہے وہ حق ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس چیز کا اتباع بھی واجب ہو۔"

[افادۃ الشیوخ:۱۲۱]

نواب صاحب کے بیٹے نور الحسن غیر مقلد لکھتے ہیں:

ترجمہ "اور جب اجماع کی کوئی حیثیت نہیں تو قیاسِ مصطلح جسے (فقہاء نے) چوتھی دلیل قرار دیا ہے خود ہی اس کی ضرورت پوری ہوگئی اور وہ کچھ نہ رہا سوائے اس کے دین اسلام اور خیر الانام کی ملت حقہ کی دو دلیلیں دو چیزوں میں منحصر ہیں کتاب اللہ، سنتِ مطہرہ اور ان دونوں چیزوں کے علاوہ کوئی چیز بھی حجت نیرّہ اور برہانِ قاطع نہیں ہے۔"

[عرف الجادی:۳......بحوالہ غیر مقلدین امام بخاری کی عدالت میں:۱۸۲]

امامِ آلِ غیر مقلدیت وحید الزمان اعتراف کرتے ہیں:

"غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہل حدیث کہتے ہیں انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماعی کی بھی پروا نہیں کرتے۔"

[لغات الحدیث:۲/۹۱،ش]

غیر مقلدین کی کتاب میں لکھا ہے:

"صحابہ کرام شرع کی دلیل دو ہی باتوں کو سمجھتے تھے (۱) قرآن (۲) حدیث۔ اور اجماع و قیاس ان کے نزدیک کوئی شرعی دلیل نہ تھا کیونکہ قیاس ہر ایک کا متفاوت و مختلف ہوتا ہے اور اجماع کی معرفت دشوار ہے تیسیر الباری ۱۲ منہ"

[نصرۃ الباری کتاب البیوع: ۱۵۰ صحیفہ اہلِ حدیث ۸۴ھ ۱۶ جمادی الثانی وکیم رجب]

شیخ ابو الاشبال شاغف غیر مقلد لکھتے ہیں:

”لیکن اتباع تابعین کے زمانے میں کتب احادیث کے بعد اصولِ فقہ اور کتبِ فقہ کی تدوین شروع ہوئی تو ہر مصنف نے حسبِ فہم اصول مرتب کیا اور اصل اصول دین اسلام میں کتاب و سنت کے ساتھ اضافہ شروع ہو گیا۔ یعنی اب اصول دین دو کی بجائے کسی نے تین اور کسی نے چار اور کسی نے پانچ قرار دیئے۔“

[مقالاتِ شاغف: ۲۰۶]

شاغف صاحب نے کتاب و سنت کے علاوہ تیسرے اور چوتھے اصول کو کتاب و سنت پر اضافہ قرار دیا ہے۔

شاغف صاحب ہی لکھتے ہیں:

”اہلِ سنت و جماعت کے اصول کے مطابق اصول شریعت یا ادلہ احکام شریعت صرف دو ہیں یعنی کتاب و سنت لیکن سنت و جماعت کے ساتھ نسبت جوڑنے والے اکثر فرقوں نے اصولِ شریعت کے ضمن میں کتاب و سنت کے ساتھ اجماع کو بھی شامل کیا ہے۔“

[مقالاتِ شاغف: ۲۰۷]

شاغف صاحب لکھتے ہیں:

”اب اس تعریف کی رُو سے جو بھی اجماع کا دعویٰ کرے یا کسی مسئلے میں اجماع کا ذکر کرے اس پر لازم و ضروری ہے کہ وہ اس کا ثبوت بہم پہنچائے کہ فلاں عصر و زمانے میں اس مسئلہ پر اجماع ہوا اور اس وقت حدودِ اسلامیہ کے اندر اتنے مجتہدین عصر موجود تھے اور سب نے اس پر اتفاق کیا ہے۔ یا کم از کم یہ کہ ان سب کو اس کی خبر ہو چکی ہے اور سب نے اس پر سکوت فرمایا ہے اور جب تک یہ ثبوت پیش نہ کیا جا سکے اجماع کا دعویٰ صحیح نہ ہو گا۔ اور بقول امام احمد بن حنبل ”من ادعی الاجماع فقد کذب یعنی جس نے اجماع کا دعویٰ کیا وہ جھوٹا ہے۔“

[مقالاتِ شاغف: ۲۰۷]

شاغف صاحب مزید لکھتے ہیں:

”دراصل ان قیود وشرائط کے ساتھ اجماع کا حصول جوئے شیر لانا ہے۔ اور یہی دلیل اس بات کی ہے کہ ادلہ شرعیہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔“

[مقالاتِ شاغف:۲۰۸]

آگے لکھتے ہیں:

”میں نے زمانہ طالب علمی سے اصول فقہ پڑھتے وقت سے اس کی حقیقت کو جاننے کی سعی کی کہ جتنے دلائل اس کو ثابت کرنے کے لیے بیان کئے جاتے ہیں ان میں سے کسی دلیل سے بھی اس کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔“

[مقالاتِ شاغف:۲۰۹]

مزید سنئے:

”اساتذہ کرام سے سوال عرض کیے۔ کتبِ اصول کا مطالعہ کیا۔ کتب فقہ کی طرف رجوع کیا۔ شروحات حدیث پر غور کیا، کتب تفاسیر کا مطالعہ کیا۔ بڑے بڑے شیوخ جن کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ وہ اصول و فروع میں کمال رکھتے ہیں، ان سے مذاکرہ کیا۔ لیکن کوئی بھی اسے بطورِ دلیل شرعی ثابت نہ کر سکا اور نہ کوئی ایسا مسئلہ بتا سکا جو اجماع سے ان جمیع شرائط و قیود کے ساتھ ثابت ہو۔“

[مقالاتِ شاغف:۲۰۹]

آگے پڑھئے:

”یاد رکھو دلیل شرعی صرف اور صرف کتاب وسنت کا نام ہے۔ کتاب و سنت میں قیامت تک کی ضروریات اور نوازلات اور درپیش مسائل کے لیے دلیل موجود ہیں۔“

[مقالاتِ شاغف:۲۱۱]

شیخ نعیم الحق ملتانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”بھینس کی زکوۃ و قربانی کے جواز پر پوری امت متفق ہے، صرف چودھویں صدی ہجری اور بیسیویں عیسوی میں برصغیر کے کچھ علماء اہلِ حدیث کو، اور ان کی وساطت سے عامۃ الناس کی ایک بھاری تعداد کو... کچھ غلط فہمیاں لگی ہیں۔“

[بھینس کی قربانی کا تحقیقی جائزہ:۳۱ طبع دوم]

اس حوالہ سے معلوم ہوا کہ بھینس کی قربانی کے جواز پر امت کا اتفاق رہا ہے مگر غیر مقلدین کی ایک بڑی تعداد اس اجماع سے منہ موڑے ہوئے ہے۔

غیر مقلدین کی طرف سے قیاس کی حجیت کا انکار

قیاس کے انکاری تو غیر مقلدین میں بہت زیادہ پائے جاتے ہیں وہ قیاس صحیح اور قیاس فاسد کی تقسیم کے بغیر مطلقاً قیاس کی تردید کرتے ہیں انہیں میں سے وہ لوگ بھی ہیں جن کا نعرہ ہے کہ **اول من قاس فهو ابليس** سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہ ابلیس ہے۔(الظفر المبین)

شیخ عبد اللہ روپڑی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”فقہاء کے نزدیک کل دلیلیں چار ہیں: کتاب و سنت، اجماع اور قیاس اور اہلِ حدیث کے نزدیک قیاس میں کلام ہے۔“

[فتاویٰ اہلِ حدیث:۱/ ۲۶۴]

شیخ محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

”میں نے حسامی سے بزدوی تک اکثر کتب اصول اور فقہ مصنفہ سلف و خلف کو دیکھا پر کسی میں کوئی دلیل صحیح صریح مشروعیت قیاس پر نہ پائی۔“

[اخبار اہل حدیث امرتسر ۱۱ جون ۱۹۱۵ء]

شیخ وحید الزمان نے لکھا:

ترجمہ:”اصولِ شرع دو ہیں کتاب اور سنت۔ اور بعضوں نے مطلقاً اجماع و قیاس صحیح کا بھی اضافہ کیا ہے لیکن حق بات یہ ہے کہ اجماعِ ظنی اور قیاس دونوں حجتِ ملزمہ نہیں ہیں البتہ یہ دونوں مظہر اور اقناعی ہیں۔“

[ہدیۃ المہدی ۱/ ۸۲]

شیخ محمد یحییٰ گوندلوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”صحابہ کرام اور تابعین عظام قیاس کو شرعی دلیل نہیں بناتے تھے۔“

[مقلدین ائمہ کی عدالت میں: ۱۴]

آگے لکھتے ہیں:

”اگر ائمہ کی محض رائے اور قیاس حجت یا واجب الاتباع ہوتی تو اس امّت کے رسول بھی اتنے ہوتے جتنے مذاہب ہیں۔“

[مقلدین ائمہ کی عدالت میں: ۷۰]

مزید لکھتے ہیں:

”اگر آثارِ صحابہ کو قیاس اور تقلید کے ردّ میں بالاستیعاب جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے گی۔“

[مقلدین ائمہ کی عدالت میں: ۹۴]

داؤد ارشد صاحب غیر مقلد نے محدثین کی کتابوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا کہ اُن میں:

”کہیں آپ کو اقوال الرجال اور رائے قیاس کی بو نہ آئے گی۔“

[تحفہ حنفیہ: ۲۵۷]

علی زئی صاحب کے استادِ گرامی شیخ بدیع الدین راشدی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”رائے و قیاس خطا و صواب کا مجموعہ ہوتا ہے اور اس کا کوئی پابند نہیں۔“

[تنقیدِ سدید: ۹۷]

آگے لکھتے ہیں:

”قیاس نئی بدعت ہے۔ پہلے نہیں تھا نیز قیاس بُری چیز ہے اور اسلام کے گرنے کا باعث ہے۔“

[تنقیدِ سدید: ۹۹]

پڑھتے جائیں:

”رائے و قیاس پر فتویٰ دینا جائز نہیں۔“

[تنقیدِ سدید: ۱۲۲]

”یہ سوال ہی غلط ہے کہ یہ مسئلہ قرآن و حدیث میں معاذ اللہ نہیں ہے اس لیے قیاس کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ (قرآن و حدیث کو ناقص سمجھنا) مسلمانوں کا مذہب نہیں۔“

[تنقیدِ سدید: ۱۲۳]

"کیا وہ [اللہ کا حکم (ناقل)] تام نہیں؟ اگر ہے تو قیاس کی کیا ضرورت۔ نیز اللہ نے قرآن وحدیث پھر اجماع کا حکم دیا اور قیاس کا کہیں نہیں بلکہ قیاس کی صورت میں اختلاف لازمی ہے۔ اس لیے حکم دیا کسی کو مت لو۔"

[تنقیدِ سدید: ۱۷۳]

امین اللہ پشاوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

"جو لوگ آرا و قیاسات کی پیروی کرتے ہیں وہ... گمراہ ہیں۔"

[حقیقۃ التقلید....: ۱۴۰]

عبد الستار حماد صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

"عبادات میں قیاس کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔"

[فتاویٰ اصحاب الحدیث: ۲/ ۱۷۲]

سعید احمد یوسف زئی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

"جو اجتہاد کتاب و سنت کی بجائے رائے، قیاس، مشاورت اور اجماع اہلِ خیر، اجماع ائمہ یا اجماعِ امت وغیرہ کی روشنی میں کیا جائے وہ تمام اہلِ ایمان کے حجت قطعی اور دلیل قطعی ہر گز نہیں ہے۔"

[صحیفہ اہلِ حدیث یکم ربیع الآخر ۱۴۱۷ھ]

غیر مقلدین کے موجود حوالہ جات اس بات پر گواہ ہیں کہ اجماع و قیاس کی حجیت کے انکار کو غیر مقلدین کی طرف منسوب کرنا پروپیگنڈا نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ اگر میرے ان حوالہ جات کو کافی نہ سمجھا گیا تو میں مستقل کتاب ترتیب دوں گا جس میں اپنے مطالعہ کی حد تک غیر مقلدین کی وہ تمام عبارات جمع کروں گا جس میں انہوں نے برملا اجماع یا قیاس کی حجیت کا انکار کیا ہے۔

مولانا ابوعفان الذہبی محمد حسیب صاحب

رفع الیدین کے مسئلے میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے درمیان مکالمہ کی حقیقت

کیا مسئلہ رفع الیدین پر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے جلیل القدر شاگرد امام عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے درمیان کوئی باقاعدہ علمی مناظرہ ہوا تھا جس میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ مغلوب ہو گئے؟ یہ سوال بعض حلقوں میں بار بار اٹھایا جاتا رہا ہے اور اسے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی علمی برتری پر حملہ کرنے کا ذریعہ بنایا جاتا ہے تاہم غور و فکر روایات کے دقیق جائزہ اور اسناد کے تحقیقی مطالعے سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کوئی رسمی اور باقاعدہ مناظرہ نہیں تھا بلکہ ایک استاد اور شاگرد کے درمیان ہونے والا مختصر خوش طبعانہ اور علمی مکالمہ تھا اسے مناظرہ کا عنوان دے کر جو نتائج اخذ کیے جا رہے ہیں وہ محلِ نظر ہیں جبکو قبول نہیں کیا جا سکتا اس تحریر میں ہم تمام متعلقہ روایات کو یکجا پیش کرتے ہوئے ان کے اسنادی اعتبار متن کے اضطراب اور تاریخی سیاق و سباق کا مختصر تجزیہ کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ یہ جائزہ اہل علم کے سامنے حقیقت کو واضح کرنے میں معاون ثابت ہو گا۔

اول: امام بخاری رحمہ اللہ کی منقطع روایت

امام بخاری رحمہ اللہ (194-256ھ) اپنی کتاب جزء رفع الیدین میں روایت نقل فرماتے ہیں:

ولقد قال ابن المبارك: كنت أصلي إلى جنب النعمان فرفعت يدي فقال: إنما خشيت أن تطير فقلت: إن لم أطر في أوله، لم أطر في الثانية! قال وكيع: رحمة الله على ابن المبارك كان حاضر الجواب، فتحير الآخر وهذا شبه من الذين عادون في غيهم إذا لم ينصروا

ترجمہ: امام عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”میں نعمان (امام ابو حنیفہ) کے پہلو میں نماز ادا کر رہا تھا۔ میں نے رفع الیدین کیا تو انہوں نے فرمایا مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں تم اڑ

نہ جاؤ اس پر میں نے عرض کیا اگر میں پہلی مرتبہ ہاتھ اٹھانے سے نہیں اڑا تو دوسری مرتبہ بھی نہیں اڑ سکتا امام وکیع رحمہ اللہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ابن مبارک پر رحم فرمائے، وہ نہایت حاضر جواب تھے ان کے جواب پر دوسرا شخص خاموش ہو گیا۔

تحقیق: یہ روایت منقطع ہے عبد اللہ بن مبارک کا انتقال 181 ھ میں ہوا جبکہ امام بخاری کی ولادت 194 ھ میں ہوئی اس بناء پر امام بخاری کا اس واقعہ کو بلا کسی واسطے کے سننا ممکن نہیں۔

دوم: امام بیہقی رحمہ اللہ کی ضعیف روایت

امام بیہقی رحمہ اللہ السنن الکبریٰ میں درج فرماتے ہیں:

أخبرنا أبو عبد الله الحافظ أنبأ الحسن بن حليم الصائغ بمرو ثنا أبو الموجه أخبرني أبو نصر محمد بن أبي الخطاب السلمي وكأن رجلا صالحا قال أخبرني علي بن يونس ثنا وكيع قال : صليت في مسجد الكوفة فإذا أبو حنيفة قائم يصلي وابن المبارك إلى جنبه يصلي فإذا عبد الله يرفع يديه كلما ركع وكلما رفع وأبو حنيفة لا يرفع فلما فرغوا من الصلاة قال أبو حنيفة لعبد الله يا أبا عبد الرحمن رأيتك تكثر رفع اليدين أردت أن تطير فقال له عبد الله يا أبا حنيفة قد رأيتك ترفع يديك حين افتتحت الصلاة فأردت أن تطير فسكت أبو حنيفه قال وكيع فما رأيت جوابا أحضر من جواب عبد الله لأبي حنيفة

تحقیق: یہ سند بھی متعدد راویوں (حسن بن حلیم الصائغ، ابو الموجہ، علی بن یونس) کی عدم توثیق کی وجہ سے ضعیف ہے حسن بن حلیم الصائغ کی صریح توثیق صرف امام حاکم رحمہ اللہ سے منقول ہے جبکہ امام حاکم کو باب توثیق میں متساہل شمار کیا جاتا ہے اس لیے صرف ان کی توثیق کو کافی نہیں سمجھا جا سکتا اسی طرح محمد بن عمرو بن الموجہ کی معتبر توثیق ہمارے علم میں نہیں آسکی جبکہ علی بن یونس کی تعیین بھی واضح نہیں ہو سکی۔

السنن الکبری جو دار الحدیث القاھرۃ سے اسلام منصور عبد الحمید کی تحقیق سے چھپا ہے اس میں روایت ہذا کی تعلیق میں اس پر ضعیف جدا کا حکم لگایا ہے انکا کہنا ہے ابو عبد اللہ کے علاوہ علی بن یونس اور پچھلے سارے راوی

مجہول ہیں۔

سوم: کتاب السنۃ کی روایت

کتاب السنۃ میں منقول ہے

حدثني أبو الحسن بن العطار محمد بن محمد، سمعت أحمد يعني ابن شبويه قال سمعت وكيعاً يقول قال أبو حنيفة لأبن المبارك ترفع يديك في كل تكبيرة كأنك تريد أن تطير ؟ فقال له ابن المبارك إن كنت أنت تطير في الأولى فاني أطير فيما سواها . قال وكيع جاد ما (حاجه) ابن المبارك مرة أو مرتين

اس روایت سے یہ بات نمایاں ہوتی ہے کہ امام ابن مبارک رحمہ اللہ ہر تکبیر پر رفع الیدین کر رہے تھے، جو خود جمہور غیر مقلدین کے موقف سے مطابقت نہیں رکھتا۔

چہارم: امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ کی روایت

امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں

حدثنا إسحاق بن راهويه قال: حدثنا وكيع أن أبا حنيفة قال: ما باله يرفع يديه عند كل رفع وخفض، يريد أن يطير؟ فقال له عبد الله بن المبارك: إن كان يريد أن يطير إذا افتتح فإنه يريد أن يطير إذا خفض ورفع

(تاویل مختلف الحدیث)

اس روایت کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں رفع الیدین کرنے والے کے لیے "**مابالہ**" (اس شخص کو کیا ہوا ہے؟) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی گفتگو امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے اپنے عمل کے متعلق نہیں، بلکہ کسی تیسرے شخص کے عمل کے بارے میں ہو رہی ہے۔

مزید اس کے متن میں یہ الفاظ بالکل واضح ہیں کہ وہ ہر اونچ نیچ پر رفع الیدین کر رہے تھے جن کے فریق مخالف بھی قائل نہیں۔

پنجم: امام ابن حبان اور امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی روایات

ابن حبان رحمہ اللہ کی روایت:

«سأل ابن المبارك أبا حنيفة عن رجل يرفع يديه، فقال : يزيد أن يصير، فأجابه ابن المبارك : إن يطر في الثانية فهو يزيد أن يطير في الأولى۔»

خطیب بغدادی رحمہ اللہ تاریخ بغداد میں:

«سأل ابن المبارك أبا حنيفة عن رفع اليدين في الركوع، فقال أبو حنيفة: يريد أن يطير... فسكت أبو حنيفة ولم يقل شيئا۔»

اس دونوں روایات کے الفاظ «سأل ابن المبارك أبا حنيفة عن رجل اور عن رفع اليدين اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ امام عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ اپنے ذاتی عمل کا دفاع نہیں کر رہے تھے بلکہ ایک دوسرے شخص کے بارے میں اپنے استاد سے سوال کر رہے تھے، ان روایات سے صاف ظاہر ہے کہ یہ استاد سے شاگرد کا علمی سوال وجواب تھا نہ کہ باقاعدہ مناظرہ۔

روایات کے مابین اضطراب اور ترجیح

روایات میں الفاظ کا نمایاں اضطراب ہے کہیں براہِ راست امام ابن مبارک کا ذکر، کہیں تیسرے شخص کا اور بعض میں وکیع کی تعریف ہے بعض میں نہیں اس بنیاد پر ترجیح امام ابن قتیبہ کی روایت کو دی جاسکتی ہے کیونکہ اس کا سیاق زیادہ واضح ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تشبیہ کا بلاغی مفہوم

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول يريد أن يطير ایک اعلیٰ بلاغی تشبیہ ہے پرندہ ایک بار پروں کو اٹھانے سے نہیں اڑتا بلکہ مسلسل جنبش سے پرواز کرتا ہے اور بار بار رفع الیدین کی مسلسل حرکت کو پرندے کی پرواز سے تشبیہ دینا بلاغت کا حسین نمونہ ہے علم بلاغت کا مسلمہ اصول یہ ہے کہ تشبیہ میں ہر اعتبار سے برابری لازم نہیں آتی بلکہ صرف کسی ایک مشترک وصف کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے۔ اگر کہا جائے زید شیر کی طرح بہادر ہے تو اس سے زید کے شیر کی تمام صفات کا حامل ہونا لازم نہیں آتا۔

امام ابن مبارک رحمہ اللہ اگر ابتدائی دور میں اسے ظاہری معنی پر محمول کر کے جواب دے بیٹھے تو یہ فہم کا اجتہادی اختلاف تھا نہ کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی عجز یا شکست اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی خاموشی کو شکست پر محمول کرنا سراسر انصاف کے خلاف ہے وہ سمجھ گئے ہوں گے کہ مخاطب تشبیہ کے اصل مفہوم کو نہیں سمجھ سکا لہٰذا مزید گفتگو سود مند نہیں اس لئے آگے سے جواب نا دینا بہتر سمجھا۔

امام وکیع رحمہ اللہ کا بذات خود ترک رفع الیدین پر عمل پیرا ہونا

امام بخاری رحمہ اللہ انکا مذہب ترک رفع الیدین نقل کرتے ہیں:

وكان الثوري و وكيع و بعض الكوفيين لا يرفعون أيديهم و قدرووا في ذلك أحاديث كثيرة ولم يعنفوا على من رفع

(جزء رفع الیدین)

یعنی امام سفیان ثوری و وکیع اور بعض دیگر کوفہ کے اھل علم رفع الیدین نہیں کرتے تھے اور انہوں نے اس مسئلے میں بہت زیادہ احادیث روایت کی ہیں اور انہوں نے اس بارے میں سختی یا نکیر نہیں کی۔

اگر یہ مناظرہ فیصلہ کن ہوتا تو امام وکیع رحمہ اللہ رفع الیدین کے قائل ہو جاتے مگر وہ ترک رفع الیدین پر قائم رہے یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ واقعہ کو فیصلہ کن مناظرہ قرار دینا درست نہیں۔

مذکورہ تمام روایات ان کے اسنادی ضعف متن کے اضطراب اور سیاق وسباق کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کہنا بجا ہے کہ اس واقعے سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی علمی شکست کا نتیجہ اخذ کرنا محلِ نظر ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ استاد و شاگرد کے درمیان تشبیہ کے مفہوم کو سمجھنے میں فہمی کا ایک اجتہادی اختلاف پیش آیا۔

امام ابن مبارک رحمہ اللہ جیسے جلیل القدر عالم کے مقام میں کوئی شک نہیں مگر اس واقعے کو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر تنقید کا ہتھیار بنانا انصاف اور تحقیق کے اصولوں کے خلاف ہے اہلِ علم کو چاہیے کہ وہ اختلافِ رائے کو ادب احترام اور علمی اخلاقیات کے دائرے میں رکھیں الحاصل اس واقعے کے متعلق جتنی بھی روایات منقول ہیں ان میں اضطراب پایا جاتا ہے اور بعض ضعیف بھی ہیں۔

البتہ ان تمام روایات کا مشترک مفہوم صرف اتنا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مبارک یا کوئی دوسرا شخص کثرت سے رفع الیدین کر رہا تھا تو امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کیا تم اڑنا چاہتے ہو اس پر ابن مبارک نے جواب دیا جب

پہلی مرتبہ رفع الیدین کرنے سے نہیں اڑا تو بعد والی مرتبہ بھی نہیں اڑوں گا۔

اس متن سے بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ کوئی باقاعدہ مناظرہ نہیں تھا کیونکہ امام ابو حنیفہؒ نے اپنے موقف پر کوئی شرعی دلیل پیش نہیں کی بلکہ ان کا انداز مزاحیہ تھا بولنے والا یہ نہیں کہہ رہا کہ تم غلط ہو یا تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے بلکہ ہلکے پھلکے طنز اور چھیڑ چھاڑ کے انداز میں بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کر رہا ہے اس سے سننے والے کے چہرے پر مسکراہٹ آسکتی ہے نہ کہ غصہ یا مخالفت کے پیدا ہونے کا امکان۔

دوسرے شخص نے بھی اسی مزاحیہ لہجے کو برقرار رکھتے ہوئے جواب دیا اس نے پہلے شخص کے مبالغے کو قبول کرتے ہوئے اسی انداز میں بات واپس کر دی لیکن یہ جواب نفرت یا تنقید کے لیے نہیں بلکہ گفتگو کو خوشگوار انداز میں ختم کرنے کے لیے تھا یہ حاضر جوابی کی ایک مثال ہے یعنی مزاح کا جواب بھی مزاح سے دیا گیا، اگر یہ واقعی تنقید ہوتی تو متن سے ہی اسکا تعین واضح ہوتا اور اس صورت میں لہجہ سخت اور مخالفانہ ہو جاتا اور دوستانہ گفتگو ایک بحث یا جھگڑے میں تبدیل ہو جاتی ضد اور مناظرے میں ہر شخص اپنی بات ثابت کرنے یا دوسرے کو لاجواب کرنے کی کوشش کرتا ہے جبکہ اھل علم کے مزاح میں ایسا نہیں ہوتا ہاں ہلکا سا طنز اور دوستانہ چھیڑ چھاڑ ہو سکتی ہے جو استاد اور شاگرد کے باہمی تعلق محبت اور قربت کو ظاہر کرتی ہے۔ چنانچہ ابن مبارک نے بھی اسی مزاحیہ انداز کو قبول کرتے ہوئے اپنے استاد کو اسی لہجے میں جواب دیا جو ان کی حاضر جوابی اور دوستانہ رویے کی علامت ہے ان کے جواب نے گفتگو کو سخت بحث میں تبدیل کرنے کے بجائے وہیں ختم کر دیا اگر ابن مبارک اس گفتگو کو مناظرے کی طرف لے جانا چاہتے تو وہ مثلاً یوں کہتے میں رفع الیدین کرتا ہوں کیونکہ یہ سنت ہے آپ کیوں نہیں کرتے اس کے بعد لازما امام ابو حنیفہؒ کو ترک رفع الیدین پر دلائل پیش کرنا پڑتے اور رفع الیدین سے متعلق احادیث کا جواب دینا پڑتا، تب یہ گفتگو مناظرے کی صورت اختیار کر لیتی لیکن ابن مبارک نے خود اس گفتگو کو مناظرے کا رنگ دینا پسند نہیں کیا۔

تشبیہ اور مبالغہ

اس واقعے کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے تشبیہ اور مبالغہ دونوں کو سمجھنا ضروری ہے، ورنہ کوئی بھی شخص اسے مناظرہ قرار دینے کی غلطی کر سکتا ہے۔

تشبیہ

کسی چیز کو دوسری چیز کے مشابہ قرار دینا۔ مثلاً زید شیر کی طرح ہے۔

مبالغہ

کسی بات کو حد سے زیادہ بڑھا چڑھا کر بیان کرنا مثلاً تم اتنی زور سے بول رہے ہو جیسے دنیا ہلا دوگے حالانکہ حقیقت میں کسی کے زور سے بولنے سے دنیا نہیں ہلتی۔

امام ابو حنیفہؒ کے کلام میں تشبیہ اور مبالغہ دونوں موجود ہیں اگر صرف تشبیہ ہوتی تو وہ فرماتے، تم پرندے کے پر پھیلانے کی طرح رفع الیدین کر رہے ہو، مگر انہوں نے اس تشبیہ کو مزید مبالغے کے ساتھ یوں بیان کیا، کیا تم اتنی کثرت سے رفع الیدین کر کے اڑنا چاہتے ہو حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ انسان کا اڑنا ناممکن ہے جس طرح کسی کے زور سے بولنے سے دنیا کا ہل جانا ناممکن ہے لہٰذا یہاں مبالغے کا مقصد گفتگو کو مزاحیہ اور دلچسپ بنانا تھا، نہ کہ کسی حقیقی بات کو ثابت کرنا۔

خلاصہ

امام ابو حنیفہؒ نے اپنے کلام میں تشبیہ اور مبالغہ کے ذریعے گفتگو کو مزاحیہ اور دلچسپ انداز میں پیش کیا ابن مبارکؒ نے بھی اسی مزاحیہ انداز کو برقرار رکھتے ہوئے اسی کے مطابق جواب دیا جس سے گفتگو وہیں ختم ہوگئی اور مناظرے کی صورت اختیار نہ کر سکی اسی لیے امام ابو حنیفہؒ نے اس کے بعد مزید گفتگو نہیں فرمائی۔

امام ابو حنیفہ کا مقام ابن مبارک کی نظر میں

1۔ عبد اللہ بن مبارک نے فرمایا: میں نے سب سے بڑا عابد سب سے بڑا پرہیزگار سب سے بڑا عالم اور سب سے بڑا فقیہ دیکھا ہے لوگوں میں سب سے بڑا عالم سفیان ثوری ہیں اور سب سے بڑا فقیہ ابو حنیفہ ہیں پھر فرمایا میں نے فقہ میں ان جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔

سمعت عبد الله بن المبارك، يقول: رأيت أعبد الناس، ورأيت أورع الناس، ورأيت أعلم الناس، ورأيت أفقه الناس، فأما أعبد الناس: فعبد العزيز بن أبي رواد، وأما أورع الناس: فالفضيل بن عياض، وأما أعلم الناس: فسفيان الثوري، وأما أفقه الناس فأبو حنيفة، ثم قال ما رأيت في الفقه مثله

(تاریخ بغداد، جلد 15، صفحہ 469 بشار نے کہا اس کی سند صحیح ہے)

2۔ابن مبارک نے فرمایا:

جب یہ دونوں یعنی سفیان ثوری اور ابو حنیفہ کسی چیز پر متفق ہو جائیں تو وہ چیز نہایت مضبوط ہے۔

(تاریخ بغداد، جلد15، صفحہ 470سند صحیح)

3۔ابن مبارک نے فرمایا:

اگر کسی کو اپنی رائے سے بات کہنے کا حق ہے تو ابو حنیفہ کو حق ہے کہ اپنی رائے سے کہیں۔

(تاریخ بغداد، جلد15، صفحہ 471؛سند صحیح)

4۔ابن مبارک نے فرمایا:

ابو حنیفہ کا قول ہمارے نزدیک اثر (صحابہ کا قول) کی طرح ہے جب اس مسئلے میں کوئی اثر نہ ہو۔

(فضائل ابی حنیفہ، صفحہ 84،رقم112؛سند صحیح)

5۔ابن مبارک نے فرمایا:

جب میں لوگوں کو ابو حنیفہ کا ذکر برائی سے کرتے سنتا ہوں تو مجھے ان پر اللہ کے عذاب کے نازل ہونے کا خوف ہوتا ہے

(فضائل ابی حنیفہ، صفحہ 75،رقم86؛سند صحیح)

ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ ان دونوں استاد اور شاگرد کے درمیان بہت اچھا اور گہرا تعلق موجود تھا لہٰذا اگر کسی موقع پر کسی مسئلے کو لے کر گفتگو ہوئی ہو تو اسے مناظرہ نہیں بلکہ مذاق، خوش طبعی یا مزاح کے طور پر کی گئی گفتگو قرار دیا جا سکتا ہے۔ انتہی

مولانا عبد الرحمٰن عابد صاحب حفظہ اللہ

مسئلہ سماعِ موتی زمانۂ صحابہؓ سے اختلافی ہے مگر "تکفیر" کا فتنہ مماتیہ کی ایجاد ہے

قارئینِ کرام! بعض افراد ایسے ہیں جن کی سوچ میں حق و انصاف اور حقائق کے ساتھ کھلی دشمنی رچی بسی ہے۔ ان لوگوں میں فرقہ مماتیہ (اشاعتی / پنج پیری) کا پہلا نمبر ہے۔ یہ حضرات معمولی باتوں پر امتِ مسلمہ کی تکفیر کر ڈالتے ہیں۔ یوں تو انہوں نے دیوبند کی صف کو پہلے ہی چیر پھاڑ دیا تھا، لیکن اب عمومی امتِ مسلمہ میں بھی فتنہ و فساد اور دست و گریبان ہونے کی ذمہ داری انہی کے سر ہے۔

آج سے تقریباً پانچ سال پہلے مشہور مفرور، بدزبان اور تکفیری الذہن خضر حیات مماتی نے مسئلہ سماع الموتی کو کفری و شرکی قرار دے کر امتِ مسلمہ کی تکفیر کی تھی۔ اس کا جواب اُس وقت استاذی المکرم استاذ المناظرین، ترجمانِ علماء دیوبند، حضرت مولانا مفتی محمد ندیم المحمودی حفظہ اللہ نے نہایت زوردار انداز میں اردو زبان میں ریکارڈ کر کے دے دیا تھا اور یوں ان کو زمین میں دفن کر دیا تھا۔ حضرت مفتی صاحب نے یہ پیشن گوئی بھی کی تھی کہ یہ بیچارہ کبھی میرے سامنے نہیں بیٹھ سکتا، اگر بیٹھ گیا تو میں اسے بھاری انعام دوں گا۔ نتیجتاً خضر حیات جواب نہ دے سکا۔ اپنی شرمندگی چھپانے کے لئے اس کا شاگرد مفتی عثمان نامی شخص سامنے آیا اور چند کلپ ریکارڈ کر کے جواب دینے کی کوشش کی۔ بار بار حضرت مفتی صاحب نے جواباً اسے کہا کہ آپ خود سامنے آجائیں، لیکن شرط یہ ہے کہ خضر حیات کا لکھا ہوا اجازت نامہ لائیں۔

خیر۔۔۔ ان کی کتابوں کا مطالعہ کر کے کچھ مفید نکات سامنے آئے۔ سوچا کہ قارئین کی خدمت میں بھی وہ مواد بعونہٖ تعالیٰ پیش کروں تاکہ علمی ذوق کے ساتھ ساتھ ان کی اختراعات اور دجل و فریب کی حقیقت بھی واضح ہو سکے اور اپنا حاصل مطالعہ قارئین کرام کو بھی پیش کر دوں تاکہ فائدہ عام ھو جائے اِن شاءاللہ العزیز۔

اعتراض

علماء دیوبند سماع موتی کے موضوع پر کیوں مناظرے کرتے ہیں؟ یہ تو زمانۂ صحابہؓ سے اختلافی مسئلہ چلا آرہا ہے، اس میں فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ اس پر مناظرے کرنا ایک فضول کام لگ رہا ہے۔

جواب

آپ کی یہ بات بالکل درست ہے کہ یہ اختلاف زمانۂ صحابہؓ سے چلا آرہا ہے۔ حتیٰ کہ علماء دیوبندؒ میں بھی بعض حضرات عدمِ سماعِ موتی کی طرف گئے ہیں، اگرچہ جمہور کا موقف سماعِ موتی ہی ہے۔

ہمارا مناظرہ ان سے نفسِ مسئلہ سماعِ الاموات پر نہیں بلکہ اس پہلو پر ہے کہ یہ حضرات سماع الموتی کو "شرکی مسئلہ" کہتے ہیں، جس کی وجہ سے صحابہ کرامؓ اور اکثر امتِ مسلمہ پر تکفیر لازم آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا ان سے علمی معرکہ ہے۔ ورنہ اگر یہ حضرات سماعِ موتی کو شرکی کہنے کے بجائے اسے اختلافی قرار دے کر صرف عدمِ سماع کے قائل بن جاتے تو ہمارا ان سے کوئی لینا دینا ہی نہ ہوتا۔

خضر حیات مماتی کا وہ کلپ تو سوشل میڈیا پر عام وائرل ہے جس میں وہ سماعِ موتی بلکہ سماعِ النبی ﷺ کو بھی شرکی مسئلہ قرار دیتا ہے اور اس کے قائل کو مشرک کہتا ہے (معاذ اللہ)۔

ان کی کتابوں میں بھی ایسے ہی الفاظ ملتے ہیں۔ چنانچہ نیلوی صاحب لکھتے ہیں:

"عدمِ سماع پر نصِ قطعی وارد ہے"

(مجموعہ رسائل، ج1، ص391)

پھر دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"جو سماعِ موتی کا قائل ہے وہ صریح قطعی نصوص ﴿إِن تَدْعُوهُمْ لاَ يَسْمَعُوا دُعَاءكُمْ﴾ اور ﴿وَهُمْ عَن دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ﴾ کا منکر ہے"

(ندائے حق، ج2، ص255)

اسی کتاب میں سماعِ موتی کو "اصولی اور عقیدوی مسئلہ" کہا گیا ہے (دیکھیے ندائے حق، ج2، ص313؛ ج3، ص199)

اب قارئین کرام خود فیصلہ کریں کہ جب ان کے بقول "عدمِ سماع" پر نصِ قطعی وارد ہے تو پھر اس کے برخلاف یعنی "سماعِ موتی" کا قائل کس زمرے میں آتا ہے؟

مزید یہ کہ ان علمی یتیموں سے ہمارے اکابرینؒ کا چیلنج آج تک باقی ہے کہ اگر کوئی ایک **"قطعی الدلالۃ"** نص پیش کر دیں جس سے سماعِ موتی شرکی ثابت ہوتا ہو تو ہم انعام دینے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن یاد رہے! قیامت

تو آسکتی ہے مگر یہ حضرات اس کا جواب نہیں دے سکیں گے، صرف ادھر اُدھر کی باتیں کر کے جان چھڑائیں گے۔

مولوی حسین نیلوی صاحب شیخ طاہر پنج پیری صاحب کے حالات میں لکھتے ہیں:

"کسی کی پرواہ کیے بغیر قائلین سماع موتی کو کافرو مشرک سمجھتے تھے"

(سوانح حیات حضرت مولانا حسین علی المعروف بہ ناشر القرآن صفحہ 122 طبع اول، ناشر: گلستان پرنٹنگ سرگودھا)

ایک اور جگہ نیلوی صاحب لکھتے ہیں:

"شرک میں داخل کرنے والا سب سے بڑا گیٹ مسئلہ سماع موتی کا ہے"

(شفاء الصدور ص 115 مترجم مولانا محمد امیر بندیالوی صاحب)

احمد سعید ملتانی صاحب لکھتے ہیں:

"اس عقیدے کا حامل مشرک بھی ہوگا کیونکہ اسباب نہ ہونے کے باوجود مافوق الاسباب کے طور پر غیر اللہ یعنی میت کے سماع اور استشفاع کا بلا التزام قائل ہے"

(سلسلة الذهب ص9)

بات صاف ہے سماع موتی کو کفریہ کہا اور اس کی وجہ یہ بتلایا کہ سماع موتی مافوق الاسباب ہے اور انہی کے ایک عالم ملتانی صاحب کا نظریہ یوں نقل کرتے ہیں:

"علماء دیوبند میں جو قائلین سماع موتی ہیں مولانا نے انہیں ایک جگہ **"یا ایها الکافرون"** کے الفاظ سے مخاطب کیا ہے۔

(خس کم جہاں پاک ص69)

بلکہ بقول ان کے جماعتی فیصلہ اور پالیسی ہے کہ قائلین سماع کے تکفیر کی جائے گی"(ایضاص 68)

اور ایک کتاب (خو خضر حیات ہی کی ہے لیکن فرضی نام اس پر "حافظ احمد عبد اللہ سنی حنفی دیوبندی حسینی" درج ہے) میں یوں درج ہے۔

"مسئلہ توسل شدر حال اور استشفاع میں آپ حضرات کو پرلے درجے کا بدعتی اور

مشرک اکبر"

(الفتح المبین ص 53)

مولوی خضر حیات صاحب ایک ویڈیو بیان میں کہتا ہے:

"سید عنایت اللہ شاہ بخاری کا یہ نظریہ تھا اور یہ (بات ان کی) نغمہ توحید میں بھی موجود ہے کہ:

"جو صلوۃ و سلام عند القبر کا قائل ہو، وہ آدمی ابو جہل کی طرح مشرک ہے۔ عند القبر جو صلوۃ و سلام سننے کا قائل ہے وہ ابو جہل کی طرح مشرک ہے۔"

مولوی خضر حیات مزید کہتا ہے:

"میں نے خود حضرت شاہ صاحب سے پوچھا۔ اور میرے ساتھ دوسرے علماء بھی تھے۔ ایک عالم نے کہا: حضرت شاہ جی! ہماری مسجد کا امام باقی کوئی شرک نہیں کرتا، صرف یہ کہتا ہے کہ اُدھر جاؤ روضے پر نبی پاک ﷺ سلام سنتے ہیں، تو کون ہے؟

تو فرمایا:

"پکا مشرک ہے، اس کے پیچھے کوئی نماز نہیں ہوتی۔"

(یہ بیان بذاتِ خود خضر حیات کی زبان سے ویڈیو کی شکل میں موجود ہے اور ہمارے پاس بھی محفوظ ہے، بلکہ سوشل میڈیا پر بھی عام پھیل چکا ہے بوقت مطالبہ ہم پیش کر سکتے ہیں ان شاء اللہ العزیز)

اور نیلوی صاحب اپنی جماعت کے متعلق یوں اظہار حقیقت بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"آج کل قائلین سماع موتی کو کافر اور مشرک کہنے والا فرقہ بھی پیدا ہو گیا ہے"

(ندائے حق ج2 ص256)

نوٹ: ان کی مزید سماع موتی کے متعلق تکفیری حوالہ جات بندہ کی دوسری کتاب "فرقہ مماتیہ اپنے فتوؤں کی زد میں" صفحہ 58و59 دیکھیے)

خلاصہ اعتراض وجواب

مسئلہ سماعِ موتی واقعی زمانۂ صحابہؓ سے اختلافی ہے، لیکن اصل جھگڑا "شرک" کا فتویٰ لگانے پر ہے۔ سماعِ موتی کو شرک کہنا صحابہ کرامؓ اور جمہور امت کی تکفیر کے مترادف ہے۔ یہی اشاعتیوں کا اصل فتنہ ہے، ورنہ اختلافی رائے رکھنا جرم نہیں۔

اعتراض: سماع الاموات ماتحت الأسباب نہیں:

نیلوی صاحب لکھتے ہیں:

"مُردوں کا سماع ماتحت الأسباب تو ہے نہیں"

(ندائے حق، ج3، ص128)

مولانا جمشید باجوڑی صاحب لکھتے ہیں:

"اور تماشہ کی بات یہ ہے کہ جب ہم اپنے سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کی قبروں کو کھلا ہوا دیکھتے ہیں تو اکثر مُردوں کے جسمیں مٹی کے ساتھ مٹی بنی ہوئی ہوتی ہیں، یعنی مردے کے نہ کان ہوتے ہیں اور نہ آنکھے ہوتی ہیں، جسم کا کوئی اندام اور کوئی حصہ باقی نہیں رہتا۔ لیکن پھر بھی یہ لوگ کہتے ہیں کہ مُردے سنتے ہیں۔ تو یہ بات عقلاً و نقلاً غلط ہے۔ کیوں کہ جب مردے سے مٹی بن جائے اور دیکھنے اور سننے کے اسباب ہی باقی نہ رہے تو اس پکارنے کو مافوق الاسباب پکارنا کہا جاتا ہے"

(نفی سماع انبیاء واموات، ص180)

یہاں بھی اعضاء (کان وغیرہ) کو مٹی کہہ کر سماع کو مافوق الاسباب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ہاں پکارنے والی بات موضوع سے خارج ہے۔

مولانا امیر بندیالوی صاحب لکھتے ہیں:

"مثلاً جب کان، آنکھ، ناک، منہ خاک ہوگئے اور ارواح علیین یا سجین میں ہیں جو کروڑہا میل کی مسافت پر ہیں، پھر مُردے کا سماع ثابت کرنا یہ نداءللغیب نہیں تو کیا ہے؟"

(شفاء الصدور، ص119)

مولانا احمد سعید خان ملتانی لکھتے ہیں:

"اس عقیدے کا حامل مشرک بھی ہوگا، کیونکہ اسباب نہ ہونے کے باوجود مافوق الاسباب کے طور پر غیر اللہ یعنی میت کے سماع اور استشفاع کا بلا التزام قائل ہے"

(الرسالة المبین، ص9)

ان سارے حوالوں کا خلاصہ یہ ہے کہ مماتی حضرات کہتے ہیں: جب میت کے کان وغیرہ مٹی ہو گئے تو وہ کیسے سن سکتا ہے؟ اور جو اس کے بعد بھی سماع کا قائل ہے وہ "مافوق الاسباب" سننے کا قائل ہو گا، جو کہ ان کے نزدیک شرک ہے۔

جواب

ہمارا نظریہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد روح کا تعلق جسدِ عنصری کے ساتھ بر قرار رہتا ہے۔ اب میت کا سماع کا سبب مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ کی وہ تخلیق ہے، جب کوئی عند القبر سلام و کلام کرے تو اللہ تعالیٰ بہ مشیتِ خویش میت میں ادراک پیدا فرما دیتا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَخْلُقُ ٱلْإِدْرَاكَ فِي ٱلنَّفْسِ... إِنَّ ٱللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ﴾

اسی کے ساتھ ایک سبب کو علامہ آلوسیؒ (المتوفی:1270ھ) نے یوں بیان کیا ہے:

"وَحَيْثُ كَانَ لَهَا عَلَى ٱلصَّحِيحِ تَعَلُّقٌ لاَ يُعْلَمُ حَقِيقَتُهُ وكَيْفِيَّتُهُ إلاَّ ٱللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ بِٱلْبَدَنِ كُلِّهِ أَوْ بَعْضِهِ بَعْدَ ٱلْمَوْتِ، وَهُوَ غَيْرُ ٱلتَّعَلُّقِ بِٱلْبَدَنِ ٱلَّذِي كَانَ لَهَا قَبْلَهُ، أَجْرَى ٱللَّهُ سُبْحَانَهُ عَادَتَهُ بِتَمْكِينِهَا مِنَ ٱلسَّمْعِ وَخَلْقِهِ لَهَا عِندَ زِيَارَةِ ٱلْقَبْرِ، وكَذَا عِندَ حَمْلِ ٱلْبَدَنِ إِلَيْهِ، وَعِندَ ٱلْغُسْلِ مَثَلاً"

(روح المعانی، ج21، ص57)

ترجمہ: صحیح قول کے مطابق روح کا تعلق بدن کے کل یا بعض کے ساتھ بعد الموت بر قرار رہتا ہے، جس کی حقیقت و کیفیت اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور یہ تعلق اس تعلق سے مختلف ہے جو موت سے پہلے بدن کے ساتھ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عادت جاری کر رکھی ہے کہ قبر کی زیارت، بدن کے غسل اور اس کو قبر کی طرف لے جانے کے وقت روح کو سماع کی طاقت عطا فرماتا ہے۔

اسی وجہ سے امام اہل السنہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

"قبر میں جسم کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے اور جسم کا روح سے تعلق قائم کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے اُس کو ادراک و شعور حاصل ہوتا ہے اور اسی تعلق کی وجہ سے مردہ سلام و کلام

وغیرہ سنتا ہے"

(سماع موتی، ص248)

پس ثابت ہوا کہ سماعِ موتی کے اسباب تین ہیں:

1. بندوں کا کلام کرنا،

2. اللہ کا سنانا،

3. تعلقِ روح

نیلوی صاحب خود محدثین سے نقل کرتے ہیں:

"ہمیں قبروں پر سلام کہنے کا حکم ملا ہے، اگر روحیں ادراک نہ کرتیں تو سلام کہنا بے سود ہوتا، اور شارع ایسے بے سود حکم دینے سے منزہ ہے"

(ندائے حق، ج3، ص57)

بلکہ وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ:

"روح کا ادراک، شعور اور سمع وبصر زیادہ قوی ہے"

(نداء الحق، ج2، ص40)۔

الزامی حوالہ:

1. مفتی سلیمان ساجد مماتی لکھتے ہیں:

"علماء حقہ، علماء دیوبند میں قائلینِ سماعِ موتی فی الجملہ بعض اوقات بمشیئۃ اللہ قائل ہیں"

(تبلیغی جماعت پر حیاتی ٹولہ کے اعتراضات، ص68)

سوال یہ ہے کہ جب علماء حقہ اور علماء دیوبند سماع موتی کے قائل ہیں تو کیا وہ مافوق الاسباب کے قائل ہو گئے یا نہیں آپ کے اصولوں کے مطابق؟

2. نبی کریم ﷺ کے ساتھ کھجور کے تنے کا رونا اور بات چیت کرنا مشہور واقعہ ہے۔ بتایا جائے، کیا اس کھجور کے پاس کان اور زبان تھے؟

3. نیلوی صاحب، شیخ سجاد بخاری اور مولانا عطا اللہ بندیالوی سب مانتے ہیں کہ روح سنتی ہے (نداء حق، ج3، ص143؛ اِقامۃ البرھان، ص98؛ مسلک شیخ القرآن، ص38)۔ کیا روح کے کان ہیں؟

4. خود نیلوی صاحب لکھتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے مقتولین نے رسول اللہ ﷺ کی بات سنی تھی (ندائے حق، ج3، ص12، 18، 26)۔ اگر یہ نص قطعی کے خلاف نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا اس قول کی وجہ سے صاحبِ تحریر مشرک ہو گئے؟

5. ان تمام تضادات کے باوجود مماتی حضرات سماع موتی کو "فروعی مسئلہ" کہتے ہیں (مولانا محمد طاہر اور ان کی قرآنی تحریک، ص307)۔ بلکہ بعض مقامات پر کہتے ہیں کہ سماع موتی کے قائلین کافر تو در کنار گمراہ بھی نہیں (ایضاً، ص218)۔

تو کیا یہ عقیدے میں کھلا تضاد اور عدمِ پختگی نہیں؟ یہ حضرات خود مانتے ہیں کہ دیوبند کے اکابرین میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، کئی دیگر علماء اور بعض محدثین سماع موتی کے قائل تھے (ایضاً، ص229)۔ علامہ کشمیریؒ کے بارے میں مماتی حضرات لکھتے ہیں کہ وہ سماع موتی کو متواتر کہتے تھے (حقیقۃ الالحاد، ص108)۔

مزید نیلوی صاحب لکھتے ہیں:

> جماہیر امت—شوافع، مالکیہ، حنابلہ—سب سماع عند قبر النبی ﷺ کے قائل تھے۔ بلکہ ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، ابن عبد الہادیؒ، ابن حجرؒ، سیوطیؒ، نوویؒ، قاضی عیاضؒ، شیخ عبد الحق دہلویؒ، ملا علی قاریؒ، قاسم نانوتویؒ—سب سماع موتی کے قائل تھے۔
>
> (نداء حق، ج2، ص84-85)

اور بقول نیلوی صاحب امام بخاریؒ بھی نہ صرف سماع موتی بلکہ کلام الموتی کے بھی قائل تھے۔ (نداء حق، ج1، ص331)

اور آگے لکھتے ہیں:

> سماع النبی ﷺ والی حدیث غیر مجتہدین میں شہرت پا کر تواتر اور اجماع کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔

(نداء حق، ج2، ص229)

کیا ان سب جمہور امت کو کافر و مشرک کہا جائے گا؟ معاذ اللہ!

خلاصہ:

سماع موتی کو "مافوق الاسباب" کہہ کر شرک قرار دینا اور اس کے قائلین کو مشرک کہنا مماتی حضرات کا

انتہائی ایمان سوز جرأت ہے۔ خود ان کے اکابر اور جمہور امت سماع موتی کے قائل ہیں۔ قرآن و حدیث، اجماع امت اور اقوالِ محدثین اس کے دلائل ہیں۔ لہٰذا اس عقیدے کو شرک کہنا درحقیقت صحابہ کرامؓ، ائمہ مجتہدین اور اکابر دیوبندؒ کی تکفیر ہے۔

مماتیوں کا بدبودار عقیدہ

اب مماتیوں کا بدبودار و بدعی عقیدہ ملاحظہ کیجیے کہ کیسے مافوقُ الاسباب کے قائل ہیں۔ فرقہ اشاعتیہ نے ایک متفقہ فیصلہ جاری کیا تھا، اس میں یہ بھی درج ہے:

"جو لوگ بمشیئۃِ اللہ خرقاللعادۃ عندالقبور سماع کے قائل ہیں وہ کافر نہیں ہیں"

(شیخ القرآن مولانا محمد طاہرؒ پنج پیری: حیات و خدمات، ص218، از مولانا محمد الیاس، اشاعت دوم، ناشر: اشاعت اکیڈمی، قصہ خوانی بازار، پشاور)

اب دیکھیے حوالہ جات کے ذریعے مماتی کہتے ہیں کہ سننا مافوقُ الاسباب ہے، اور اس حوالے میں یہ تصریح ہوئی کہ میت **خَرقًا للعادۃ** سن سکتا ہے، جو کہ مماتیوں کے نزدیک مافوقُ الاسباب سننا ہے (صُغریٰ)۔ اس مقدمہ کو تو مماتیوں نے تسلیم کیا ہے۔ (اور یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ) مافوقُ الاسباب سننا کفر و شرک ہے (کُبریٰ)۔ اس مقدمہ کو بھی مماتیوں نے تسلیم کر لیا ہے۔ اب اگر حدِ اوسط (مافوق الاسباب سننا) گرائی جائے تو نتیجہ بنتا ہے میت کا **خَرقًا للعادۃ** سننا کفر اور شرک ہے۔

یوں مماتیوں نے اپنے عقیدہ (**خَرقًا للعادۃ** سماع) ہی کو کفر و شرک قرار دے دیا (!!) کچھ سمجھ شریف میں آیا۔۔۔؟

دوسری طرز سے:

جب یہ خَرقٌ للعادۃ ہوا تو "عند القبور" کا کیا مطلب؟ اللہ تعالیٰ تو پھر دُور دُور سے بھی سنا سکتے ہیں۔ کیا حضرت عمرؓ نے "**یا ساریۃ الجبلَ**" کا نعرہ لگا کر اللہ نے ان مجاہدین کو نہیں سنایا؟ کیا آپ لوگ دور سے اللہ کے سنانے پر قادر نہیں مانتے؟ العیاذُ باللہ

تیسری طرز سے:

برزخ کے معاملات ہوتے ہی خوارق ہیں، یعنی دنیا کے قانون کے مطابق نہیں ہوتے، **کما قال ملا**

علی القاریؒ فی المرقاة۔ تو یہاں "خَرقٌ للعادة" کی قید ویسے ہی مناظرانہ دباؤ کے قبیلے سے ہے، کوئی ضروری نہیں۔

چوتھی طرز سے:

اگر "خَرقٌ للعادة" سے مراد بلا اسباب اور بلا واسطہ سننا ہو، جیسا کہ مماتی حضرات سمجھتے ہیں، تو بلا اسباب اور بلا واسطہ سننا کیا صفتِ خداوندی نہیں ہے؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو پھر کیا اللہ کی صفتِ خاصہ میں کوئی **خرقًا للعادة** شریک ہو سکتا ہے؟ خوب سوچ سمجھ کر جواب دیجیے۔

پانچواں جواب:

قصداً چھوڑتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ ہماری تحریر دیکھ کر یہاں سے بھی "پنج پیر" ثابت نہ کر بیٹھیں۔

اعتراض:

خضر حیات مماتی تلبیس کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"بعض حضرات علماءِ حنفیہ کی طرف سماعتِ اموات کے مسئلہ کی نسبت یہ ارشاد کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے، بلکہ حنفی مذہب میں مردوں کا نہ سننا اتفاقی مسئلہ ہے، تمام فقہِ حنفیہ میں اس مسئلے کو صاف طور پر لکھا ہے، بلکہ سماعتِ موتی کے مسئلہ کے اختلافی ہونے سے یہ ہے کہ مذہبِ حنفیہ اور مذہبِ شافعیہ کا باہم اختلاف ہے، بعضے شافعی مذہب والے سماعِ اموات کے قائل اور جمہور فقہائے حنفیہ عدمِ سماعت کے قائل ہیں"

(اکابر کا باغی کون، ص130-131، ط:ثانی)

خضر حیات مماتی کا مطلب و مقصد دو باتیں ہیں:

1. یہ اختلاف صرف مواضعِ منصوصہ میں ہے۔

2. یہ اختلاف صحابہ کرامؓ کے درمیان نہیں بلکہ احناف اور شوافع کے درمیان ہے، اسی لیے اسے اختلافی کہا گیا۔

جبکہ یہ دونوں باتیں سراسر جھوٹ اور اپنے مذہب سے بھی بغاوت ہیں۔

پہلے شق کا جواب: مماتیوں کی یہ بات کہ "یہ اختلاف مواضعِ منصوصہ میں تھا" اپنے گھر سے ہی اس کا پوسٹ مارٹم

دیکھیں۔خود آپ (خضر حیات مماتی) نے بھی مانا ہے کہ شوافع سماعِ موتی کے قائل ہیں (اکابر کا باغی کون، ص 131)۔رہ گیامذہبِ حنفی، تو لیجیے آپ کے گھر کے مناظر و محقق مولانا عبد المقدس صاحب لکھتے ہیں:

"سماعِ موتیٰ بمذھبِ امام ابی حنیفہؒ سوائے مواضعِ مخصوصہ کے ثابت نہیں ہے"

(رسائل مقدسہ، ص76)

مطلب یہ ہوا کہ حنفیت میں بھی مواضعِ منصوصہ میں سماع ثابت ہے، اور شوافع میں تو آپ ویسے بھی مانتے ہیں۔پس حقیقت یہ ہے کہ خضر حیات مماتی کا یہ دعویٰ صرف ہوائی فائرنگ اور بے بنیاد وسوسہ ہے، جس کی قلعی اس کے اپنے ہی گھر کے حوالہ جات نے کھول دی۔الحمد للہ علیٰ ذلک۔

خلاصۂ بحث:

اس پوری گفتگو سے واضح ہوتا ہے کہ:

خود مماتی حضرات نے "خرقًا للعادۃ سماع" کو تسلیم بھی کیا اور اسی کو کفر وشرک بھی قرار دیا، جو کہ کھلا تضاد ہے۔"عند القبور" کی قید ایک مناظرانہ ذھنی ورزش ہے، ورنہ برزخی معاملات اپنی اصل میں خوارق ہی ہوتے ہیں۔اگر بلا اسباب سماع کو مانا جائے تو یہ صفتِ خاصۂ الٰہیہ ہے، اور مخلوق کو اس میں شریک ٹھہرانا ان کے اپنے معیار کے مطابق شرک ٹھہرتا ہے۔

خضر حیات مماتی کی تلبیس کو اس کے اپنے اکابر اور معاصرین کے اقوال نے رد کر دیا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اختلاف کی بنیاد صرف جھوٹ اور مغالطہ ہے۔

دوسرے وسوسے کا جواب:

دوسرے وسوسے کا جواب بھی خود انہی کے گھر سے ملاحظہ کیجیے۔

1 = مماتیوں کے شیخ القرآن ولی اللہ کابلگرامیؒ فرماتے ہیں:

"مسئلة سماعِ الموتی اختلافية سلفاً و خلفاً فی الصّحابة والتابعين والائمة الكرام"

(فتاویٰ شیخ ولی اللہ کابلگرامی شہید، صفحہ 47)

2= مماتیوں کے مشہور شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا سعید الرحمن الخطیبؒ صاحب عرف اوگی خطیب صاحب

رقم طراز ہیں:

"البتہ نفسِ سماعِ موتی میں اختلاف ہے۔ دونوں صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک علماء ہیں جاری ہے۔ اور سب نیک بندے اور اکابر اولیاء ہیں۔ کوئی ان میں نہ کافر اور گمراہ اور معتزلی نہیں ہے"

(مجموعہ برزخی غمی وخوشی، صفحہ 180-181)

خضرحیات صاحب! ایک ایک کلمہ آپ کے عقیدے کے پرخچے اڑاتے ہیں لیکن آپ تعصب میں ڈوبے ھوئے ھو، اپنے اکابرین کی کتب بھی مطالعہ نہیں کرتے۔ اور یوں اپنے آپ۔ کو دنیا کے ایک نمبر کا مناظر اور محقق سمجھے ہو (حقیقت یہ ہے کہ تحقیق اور مناظرہ کی ہوا تک آپ کو نہیں لگی بس صرف بند کمرے میں اپنے آپ۔ کو مناظر اعظم اور محقق کبیر سمجھ بیٹھے ہو۔۔۔ ھداک اللہ)

3= قاضی شمس الدین صاحبؒ لکھتے ہیں:

"اختلافی مسئلہ (جس کا اختلاف معتمد بہ ہو) وہ کہلاتا ہے جس میں صدرِ اوّل میں اختلاف ہوا ہو، اور صدر اوّل عبارت ہے زمانہ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین سے۔ جیسے مسئلہ سماعِ موتی۔۔۔ الخ۔"

(تصانیف قاضی شمس الدین ج2 صفحہ 105)

3= شیخ القران حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

"سماعِ موتی کا مسئلہ زمانِ صحابہؓ سے مختلف فیہ چلا آ رہا ہے۔ یہ مسئلہ اعتقاداتِ ضروریہ میں سے نہیں جن کی نفی یا اثبات پر کفر و اسلام کا مدار ہے، بلکہ یہ ایک علمی اور تحقیقی بحث ہے۔"

(جواہر القرآن، جلد2، صفحہ 902، سورہ روم، آیت 52)

5= یہی تحقیق جواہر القرآن سے مماتیوں کے شیخ التفسیر والحدیث مولانا سجاد بخاری صاحبؒ نے بھی اپنی کتاب میں من وعن نقل کی ہے۔

(دیکھیے: اقامۃ البرہان، صفحہ 67)

6= مولانا حسین نیلوی صاحبؒ (مترجم: مولانا امیر بندیالوی) اپنی کتاب شفاء الصدور میں حضرت علامہ فہامہ مولانا

رشید احمد گنگوہیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

"یہ مسئلہ عہدِ صحابہؓ سے مختلف فیہا ہے۔"

(شفاء الصدور، صفحہ 45)

7= ڈاکٹر ابو سلمان سراج الاسلام حنیف صاحب رقم کرتے ہیں:

"شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: سماعِ موتی کا مسئلہ زمانِ صحابہؓ سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔"

(تسہیل بلغة الحیران، جلد2، صفحہ 150)

8= اسی طرح تحفہ ابراہیمیہ (مصنف: مولانا حسین علیؒ، مقدمہ نگار: قاضی شمس الدینؒ، مبصر: شیخ سجاد بخاریؒ) میں درج ہے:

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سماع موتی کی منکر ہیں اور بعض دوسرے (صحابہ کرامؓ قائل) حضرات قائل"

(تحفہ ابراہیمیہ، صفحہ 158)

9= مماتیوں کے مشہور شیخ التفسیر حضرت مولانا عبد الجبار باجوڑیؒ لکھتے ہیں:

"سماعِ موتی کا مسئلہ زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اختلافی چلا آرہا ہے۔ یہ مسئلہ اعتقادیاتِ ضروریہ میں سے نہیں کہ اس کی نفی یا اثبات پر کفر و اسلام کا مدار ہو۔"

(فتح الرحمن، جلد2، صفحہ 684)

10= مشہور اشاعتی عالم شیخ عبد السلام خضروی صاحب (استاذِ خضر حیات مماتی) اپنی کتاب میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے حوالے سے بلاتردید نقل کرتے ہیں:

"یہ (سماع موتی کا) مسئلہ عہدِ صحابہؓ سے مختلف فیہا ہے اس کا فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا"

(فتاوی جات ص 35)

اور پھر صفحہ 12 پر جواہر القرآن کی وہ تحقیق قلمبند کی ہے جو ہم نے پچھلے حوالہ جات میں نقل کر چکے ہیں۔

11= نیلوی صاحب ہی نقل کرتے ہیں:

"مسئلہ سماع موتی کا قرنِ اول میں مختلف ہوا ہے اب اس کا فیصلہ گو ممکن نہیں"

(سوانح شیخ حسین علیؒ المعروف ناشر القرآن ص223)

12= مماتیوں کے مشہور اور قدیم رسالہ میں مولانا قاضی شمس الدین صاحبؒ کا ایک مضمون چھپا ہے بنام "مسئلہ حیات النبی ﷺ پر درس" اس میں یہ تحریر بھی درج ہے

"اختلافی مسئلہ (جس کا اختلاف معتمد بہ ہو) وہ کہلاتا ہے جس میں صدرِ اوّل میں اختلاف ہوا ہو، اور صدر اوّل عبارت ہے زمانہ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین سے۔ جیسے مسئلہ سماعِ موتی ---الخ

(ماہنامہ تعلیم القرآن جلد2 شمارہ5 مئی 1959ء راولپنڈی صفحہ 15)

13= ایک اور رسالہ میں بھی شیخ الحدیث قاضی شمس الدینؒ تحریر فرماتے ہیں:

"ہمارے شیخ حضرت حسین علی صاحب مرحوم و مغفور مسئلہ سماع موتیٰ میں فرماتے تھے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، اس میں زیادہ شدت اور بحث و تمحیص نہ کی جائے اور زیادہ کوشش توحید و سنت کی اشاعت اور شرک کی تردید میں کی جائے"

(ماہنامہ تعلیم القرآن جولائی اگست 1984 ص46)

14== مماتیوں کے معتمد کتاب میں بحوالہ مفتی عزیز الرحمن دیوبندیؒ یہ حوالہ درج ہے:

"مسئلہ سماع موتی کا قرن اول میں مختلف ہوا ہے"

(کشف مغالطات ص12 مؤلفہ علامہ محمد ابراھیم واعظ دہلوی)

ان درجن سے زائد حوالہ جات سے یہ حقیقت **اظہر من الشمس** ہوا کہ سماعِ موتی کا مسئلہ صدرِ اوّل ہی سے اختلافی رہا ہے، اور اس اختلاف کو اکابر علمائے امت نے کبھی بھی ایمان و کفر کا معیار نہیں بنایا۔ بلکہ جلیل القدر محدثین، فقہاء اور مشائخ نے اسے محض علمی و تحقیقی دائرے میں رکھا۔

؎ حقیقت روشن و عیاں ہے مگر انکار کرتے ہیں

لیکن خضر حیات (**واعوانھم**) آنکھیں بند کر کے اپنے اکابرین سے بھی بغاوت کرتے ہوئے انکار کرتے ہیں اور اس کے باوجود بھی دوسروں کے لیے "اکابر کا باغی کون" لکھا ہے کہ دیکھے اپنے اکابرین سے بغاوت کر چکے

ہیں جبکہ اس علمی یتیم کا اپنا حال یہی ہے۔**اللھم اھدنا الصراط المستقیم**

اعتراض:

خضر حیات مماتی بند کمرے میں ایک ویڈیو میں ایک نیا شوشہ چھوڑتے ہوئے کہتے ہیں کہ جن اکابرینؒ نے یہ کہا ہے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے تو ان حضرات کی مراد مواضعِ منصوصہ ہے قلیب بدر وغیرہ نا کہ اس مخصوص مقامات کے علاوہ بھی سننے کا قول کرتے ہیں۔

جواب:

یہ ڈھکوسلہ اور شوشہ بھی نیا مارکیٹ میں آیا ہے یعنی یہ بالکل ناکام چالا کی اور عقلی ورزش ہے فقط۔ وجوہات مندرجہ ذیل ہے:

اولاً: آخر یہ تاویل پیدائشِ فرقہ مماتیت (1957ء) سے پہلے کس کلمہ گو مسلمان نے کہا ہے کہ اس سے مراد خاص مقامات ہے ناکہ عند القبور۔۔۔؟

حالانکہ ہم اس کے برعکس انہی کے گھر سے پیش کر چکے ہیں کہ یہ اختلاف مطلقاً تھا نہ کہ مقید بقیدِ مواضعِ مخصوصہ کے، لہذا یہ وسوسہ بھی درہم برہم ہوا الحمدللہ۔

ثانیاً: یہ خضر حیات کے اپنے اکابرین سے بغاوت ہے اور ان کی نظریات سے بھی ناواقفیت یا تجاھل عارفانہ ہے کیونکہ انہی کی کتابوں میں شیخ حسین علیؒ کا یہ نظریہ لکھا گیا ہے کہ:

> "اگر کوئی شخص یہ کہے کہ قبر کے پاس جو بات کہی جائے اُس کو مرہ سنتا ہے تو ایسے شخص کو کافر نہیں کہنا چاہیے کیونکہ اس میں اماموں کا اختلاف ہے اگرچہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ نہیں"
> (سوانح مولانا حسین علیؒ صفحہ 96)

دیکھیے جناب! کیا یہاں اختلاف مواضعِ منصوصہ میں بتلایا گیا ہے یا اس کے علاوہ (یعنی عند القبور۔۔؟)

ثالثاً: اگر واقعی اختلاف قلیب بدر وغیرہ میں تھا کہ اس کنویں میں جو مُردے پڑے ہیں یہ سنتا ہے یا نہیں۔ اگر اختلاف اس میں ہو تو سن لیجئے:

آپ لوگ قلیب بدر کو معجزہ مانتے ہو (دیکھیے الصواعق المرسلہ ص238) اور سماع کو بعد از وفات معجزہ مانتے ہو (اظہارِ حقیقت ص97و99)

جب یہ واقعہ اور سماع معجزہ ہوا تو آپ حضرات کے نزدیک تو پھر اس میں بعض صحابہؓ کا اختلاف کرنے کی وجہ سے معجزہ کا منکر ہونا لازم آئے گا۔

یا دوسرے طرز سے یوں سمجھے کہ نیلوی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"جب اللہ پاک چاہیے تو سُنادے اُسی کی قدرت واختیار میں ہوا۔۔۔اور جو منکر ہو وہ خدائی قدرت واختیار کا منکر ہوا اور کافر ہوا"

(ندائے حق ج2ص255)

پس اس معجزے میں اختلاف کو محصور کرنا درست نہیں ورنہ تکفیرِ صحابہؓ لازم آئے گا معاذ اللہ۔ اسی وجہ سے یہ اختلاف مخصوص مواضع میں منحصر کرنا درست نہیں۔ یاد رہے یہ بات الزاماً ان کو کہا گیا ہے۔

رابعاً: یہ فرضی اور فرار کی راستہ آپ کو آپ ہی کے استاد نیلوی صاحب نے بند کیا ہے کیونکہ نیلوی صاحب لکھتے ہیں:

ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، ابن عبد الھادیؒ، ابن حجرؒ، سیوطیؒ، نوویؒ، ٠ عیاضؒ، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، ملا علی قاریؒ وغیرہ سب سماع عند القبر کے اس لئے قائل ہیں کہ وہ مطلقاً سماع موتی مانتے ہیں"

(ندائے حق ج2ص85)

"مطلقاً سماع موتی مانتے ہیں" پر دوبارہ نظر دوڑائے اور اپنی خود ساختہ بہانے کی دھجیاں ہوا میں ملاحظہ کیجئے۔

خامساً: مولانا عطاء اللہ بندیالوی صاحب لکھتے ہیں:

"مگر ضابطہ، اصول اور قانون یہی ہے کہ کوئی مرنے والا کسی وقت، کسی جگہ سے، کسی کی کوئی بات سن نہیں سکتا۔"

(کیا مردے سنتے ہیں؟ص21، شایع: مکتبہ توحید وسنت سرگودھا فروری2004ء)

یہاں تو بندیالوی صاحب لکھتے ہیں کہ ضابطہ، اصول اور قانون ہے کہ کسی بھی وقت کوئی بھی مرنے والا کسی جگہ بھی نہیں سن سکتا۔ اب کیوں اس قانون کے خلاف ورزی کرتے ہوئے جنگ بدر کے موقع پر قلیب بدر والوں کو نبی کریم ﷺ کی کلام کا سننے کے قائل ہوگئے ہو؟ گویا آپ لوگ قانون کے خلاف بے اُصول فرقہ ہی ہو (آپ ہی کے قول واصول کے مطابق)۔

سادساً: سماع کو تو ویسے بھی آپ لوگ عقیدہ اور اُصولی قرار دیتے ہو جیسا کہ (ندائے حق ج2ص313) اور دیگر کتب میں موجود ہے (کما مر) اور یہ دعوی بھی ہے آپ لوگوں کا کہ عقیدے کے لئے صحیح خبر واحد بھی نہیں چل سکتا۔ (کیا مردے سنتے ہیں از بندیالوی صاحب ص50) اور سماع موتی احادیث کے متعلق مولانا واحد اللہ وحدان صاحب مماتی لکھتے ہیں:

"یہ جو احادیث سماع الموتی میں پیش ہو رہا ہے اس میں خبر متواتر موجود نہیں"

(مَنْهَلُ العَطْشَانِ لِمُنْكِرِي سَمَاعِ المَوْتَىٰ مِنَ الوحْدَانِ صفحہ 36)

جناب نیلوی صاحب بھی لکھتے ہیں:

"یہ خبر واحد ہے۔"

(ندائے حق ج3ص158)

لہذا آپ لوگ تو اس روایت کو بالکل ہاتھ بھی نہ لگاؤ کیونکہ یہ تو آپ کے نزدیک بالکل حجت نہیں بلکہ باصول شما قرآن کے مقابلہ میں وضع کیا گیا ہے معاذ اللہ ثم وثم۔

بلکہ نیلوی صاحب صاف الفاظ میں حضرت عائشہؓ پر افتراء باندھتے ہیں:

"حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اس خبر واحد کو خلاف قرآن سمجھ کر اس حدیث میں تاویل کی"

(ندائے حق ج3ص158)

اور آخر میں یہ فیصلہ کیا:

"لہذا قرآن چونکہ قطعی الثبوت ہے اور حدیث ظنی الثبوت۔ پس قطعی کے مقابلہ میں ظنّی دلیل چھوڑ دی گی"

(ندائے حق ج3ص162)

نیلوی صاحب نے بات ہی ختم کر دی معاذ اللہ۔

سابعاً: خضر حیات صاحب نے جو یہ دعوی بلا دلیل کیا ہے کہ یہ اختلاف مواضع مخصوصہ میں ہے تو اس بات کو نیلوی صاحب کے ایک حوالے کی روشنی میں خود دیکھے کہ اس بات میں کتنی وزن ہے؟

نیلوی صاحب لکھتے ہیں:

حضرت عائشہؓ نے سماع اہل قلیب بدر کی نفی کی اور پھر جلیل القدر صحابہؓ یہ سن کر خاموش رہ گئے اور ردّ نہیں فرمایا تو حضرت عائشہؓ کے قرآنی استدلال کے بعد سب صحابہؓ کا خاموش ہو جانے سے اجماع ہو گیا۔

(دیکھیے ندائے حق ج3 ص162 تا164)

توجب سب صحابہ کرامؓ کا اجماع ہو گیا تو پھر اس میں اختلاف کہاں آ گیا سبحان اللہ۔

ہر ایک مماتی کا مذہب بھی جدا جدا ہے اور دین بھی جدا جدا ہے، ہر مماتی اپنے اکابرین کے اقوال کو جوتے کی نوک پر رکھ دیتا ہے (!!)

اعتراض:

حضرت عائشہؓ بھی تو عدم سماع کے قائل ہے اور یہی امام ابو حنیفہؒ کا قول بھی ہے۔

الجواب:

پہلے سے ہم نے کہا کہ یہ مسئلہ دورِ صحابہؓ سے اختلافی چلا آ رہا ہے کوئی مسئلہ نہیں اگر بالفرض حضرت عائشہؓ آخر وقت تک عدم سماع موتی کے قائل تھی تو کوئی حرج نہیں۔

ثانیاً: یہ قولِ صحابیؓ ہے کوئی قطعی دلیل تو نہیں مماتی حضرات اپنے اصول کو یاد رکھ کر کوئی قطعی دلیل پیش کریں۔

ثالثاً: یہ حضرت عائشہؓ کا ایک اجتہادی قول اور فہم ہے جبکہ خود مماتیوں کے نزدیک نہ تو قولِ صحابیؓ حجت ہے (ندائے حق ج1 ص19) اور نہ فہمِ راوی حجت ہے (ندائے حق ج1 ص710، اگرچہ وہ راوی صحابی ہی کیوں نہ ہو۔ (ندائے حق ج2 ص353)

نوٹ: مماتیوں کا قولِ صحابہؓ عدم حجیت پر کئی حوالہ جات موجود ہیں لیکن فی الحال یہاں دو حوالے ذکر کئے باقی کسی اور موقعہ کیلئے ہم نے رکھی ہیں بحمدہ تعالی۔

توپھر کس بنیاد پر حضرت عائشہؓ کا قول مماتیوں کیلئے حجت ہے؟

رابعاً: ندائے حق میں نیلوی صاحب بمع شفاء الصدور کے مترجم مولانا امیر بندیالوی صاحب نے یہ کہا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے سب صحابہؓ کے سامنے یہ بات کہی اور کسی نے بھی اس کی تردید نہیں کی، گویا اس پر اجماعِ صحابہؓ ہو گیا۔

یہ صاف اور صریح جھوٹ ہے۔ علامہ نیلویؒ نے ایک مرتبہ صحابہ کرام پر یہی جھوٹ بولا تھا علامہ حبیب اللہ ڈیروی صاحب نوّر اللہ مرقدہ وکثر للہ امثالہ نے اس کی ایسی تردید کی ہے کہ مماتیوں سے اس کا جواب نہیں ہوسکا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے امی عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے سامنے سماع موتی والی قلیب بدر روایت پیش کی اور امی عائشہؓ نے اس کے سامنے تاویل پیش کی۔ یہ ایک ایسا جھوٹ ہے کہ تمام مماتی ملکر اس کو ثابت نہیں کرسکتے۔ بخاری کی روایت میں تو صیغہ مجہول کے ساتھ راوی ذکر کر رہا ہے۔۔ وذُكِرَ عِندَ عائشة۔۔۔ کہ امی عائشہ کے سامنے ذکر کیا گیا۔۔ کس نے ذکر کیا راوی کو خود اس کا خبر نہیں مماتی ثابت کریں کہ کس صحابی نے یہ روایت امی عائشہؓ کے سامنے پیش کی اور امی عائشہؓ نے کس کس صحابی کے سامنے اس کی تاویل بیان فرمائی۔ چلیں اس تابعی کا نام بحوالہ پیش کریں جس نے امی عائشہؓ کی تاویل کسی صحابی کے سامنے بیان فرمائی ہو؟ جبکہ خود نیلوی صاحب بھی حیران وپریشان ہے کہ یہ واسطہ صحابی کا ہے یا تابعی کا (ندائے حق) جبکہ نیلوی صاحب یہ بھی لکھتے ہیں:

"فعل مجہول کی صیغہ ضعف پر دلالت کرتی ہے"

(ندائے حق ج2 ص110)

بہر حال! مماتیوں سے عرض ہے کہ وہ اس جھوٹ کو ثابت کریں۔

خامساً: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سماع کی تاویل "علم" سے کی ہے مگر اس تاویل کو کسی ایک صحابیؓ نے قبول نہیں کیا نہ بعد کے جمہور امت نے اس کو قبول کیا تاریخی لحاظ سے خود امی عائشہؓ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں بھی صحابہؓ سماع کے قائل تھے۔ چناچہ امی عائشہؓ فرماتی ہیں:

" قالت عائشةُ: والناسُ يقولونَ: لقد سمعوا ما قلتُ لهُ۔۔۔"

(مسند احمد ج6 ص376 وقال ہیثمیؒ رجالہ ثقات مجمع الزوائد ج6 ص87)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: لوگ کہتے ہیں کہ یقینا (موتیٰ) نے سن لیا جو میں (حضور ﷺ) نے کہا۔

معلوم ہوا کہ جمہور صحابہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دور میں سماع موتی کے احادیث زور وشور سے روایت کرتے اور بیان کرتے رہے ہیں۔ اور بقول علامہ ابن حجرؒ بعد کے جمہور نے بھی جمہور صحابہ کی روایت قبول کئے اور جمہور امت سماع موتی کے قائل رہیں:

"وَقَدْ خالَفَها الجُمهورُ في ذٰلِكَ، وقَبِلوا حديثَ ابنِ عُمَرَ لِمُوافَقَةِ مَن رَواهُ غَيرُهُ عَلَيْهِ"

(فتح الباری لحافظ ابن حجر عسقلانی ج3، ص477)

ترجمہ: اور یقینا جمہور اہل اسلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت کی ہے اور انھوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت قبول کیا ہے۔

حتی کہ یہ روایات صحاحِ ستہ کی زینت بنیں۔

جیسے حدیث انس عن عمر (مسلم ج1 ص263)

حدیث انس عن ابی طلحہ (صحیح بخاری ج2 ص566)

حدیث ابن مسعود (مجمع الزوائد ج6 ص88)

حدیث عبد اللہ ابن سیدان (مجمع الزوائد ج6، فتح الباری ج8 ص306،305)

ان صحابہؓ کی روایات عبد اللہ ابن عمرؓ کی روایات کے موافق ہیں۔

سادساً: امام بخاریؒ نے جو حضرت عائشہؓ کی تاویل ذکر کی، ساتھ ہی قتادہؒ کا قول بھی پیش کیا کہ قتادہؒ نے امی عائشہؓ کی تاویل کے بجائے فرمایا کہ انہیں زندہ کر کے سنایا گیا یعنی حضرت قتادہؒ حضرت عائشہؓ کے خلاف تاویل پیش کی کہ قلیب بدر والوں نے سنی ہی تھی لیکن کیفیت جدا تھی اور وہ کیفیت ایسی کہ قلیب بدر والے زندہ ہوئے تو پھر انہوں نے سن لیا پھر فوت ہوئے تو گویا قتادہؒ نے خود حضرت عائشہؓ سے اس اجتہادی امر میں اختلاف کیا یہی وجہ ہے کہ خود امام بخاریؒ بھی سماع موتی کے قائل ہو گئے جیسا ہم نے پچھلے حوالوں میں انہی کی کتاب (ندائے حق ج1 ص331) سے ذکر کر چکے ہیں۔

سابعاً: دیگر محدثینؒ نے بھی اماں عائشہؓ کے اجتہاد پر کلام کیا ہیں چنانچہ مفسر علامہ قرطبیؒ (المتوفیّٰ 671ھ) لکھتے ہیں:

"وَقَد احْتَجَّتْ عائشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْها في إنْكارِها أنَّ النَّبيَّ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم أَسْمَعَ صَوْتَ بَدْرٍ بِهذِهِ الآيَةِ، فَنَظَرَتْ في الأَمْرِ بِقِياسٍ عَقْلِيٍّ، وَوَقَفَتْ مَعَ هذِهِ الآيَةِ، وَقَدْ صَحَّ عَنِ النَّبِيِّ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم أَنَّهُ قالَ:

«ما أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ مِنْهُمْ»

(تفسیر قرطبی ج13، ص232، تحت سورۃ النمل رقم الآیۃ:80)

ترجمہ:۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سماع موتی کے انکار میں اس آیت سے دلیل پکڑی ہے پس ان کا یہ نظریہ عقلی قیاس پر مبنی ہے کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ان مردوں سے زیادہ سننے والے نہیں ہیں۔

علامہ داود بن سلیمان البغدادی الحنفیؒ لکھتے ہیں:

"قالَ ابنُ تَيمِيَّةَ في كِتابِ الانْتصارِ للإمامِ أَحْمَدَؒ، وإِنكارُ عائشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْها سَماعَ أَهْلِ القَليبِ الكُفّارِ مَعْذورَةٌ فيه لِعَدَمِ بُلوغِها النَّصَّ، وغَيرُها لا يكونُ مَعْذوراً....

(المِنْحَةُ الوَهْبِيَّةُ، ص ١٣)

ترجمہ:۔ امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب الانتصار للامام احمدؒ میں کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قلیب بدر کے مردوں کے بارے میں سماع کا انکار کرنا عذر کی بناء پر تھا وہ اس میں معذور تھیں کیونکہ ان کو نص حدیث نہیں پہنچی تھی لیکن ان کے علاوہ کوئی اور معذور شمار نہیں کیا جاسکتا۔۔

اور علّامہ آلوسی الحنفیؒ (المتوفیٰ:1270ھ) فرماتے ہیں:

"وَذَهَبَتْ طَوائِفُ مِن أَهْلِ العِلْمِ إِلى سَماعِهِم في الجُمْلَةِ، وَقالَ ابنُ عَبدِ البَرِّ: إِنَّ الأَكْثَرِينَ عَلى ذٰلِكَ، وَهوَ اختِيارُ ابنِ جَريرٍ الطَّبَرِيِّ، وكَذا ذَكَرَهُ ابنُ قُتَيْبَةَ وَغَيرُهُ..."

(روح المعانی ج6 ص454)

ترجمہ:۔ اہل علم کے کئی طائفے اس طرف گئے ہیں کہ مردے فی الجملہ سنتے ہیں۔ امام ابن عبد البرؒ کہتے ہیں کہ علماء کی اکثریت اس پر ہے اور اسی کو امام ابن جریر طبریؒ نے اختیار کیا اور اسی طرح امام ابن قتیبہؒ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

اور محدث دار العلوم دیوبند حضرت مفتی سعید احمد پالنپوریؒ نے بھی اس پر بہترین علمی نقد کیا ہے جس کو ہم خوف طوالت کیوجہ سے ذکر نہیں کرسکتے تفصیل کیلئے خود دیکھے (تحفۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد 4 ص140، کتاب الصلوۃ، الجنائز حدیث نمبر 1371)

ثامناً: ہم نے بحوالہ ابن حجرؒ یہ بات کی تھی کہ حضرت عایشہؓ کے ساتھ جمہور نے اختلاف کیا تھا جمہور تو کیا خود اماں عائشہؓ کا یہ اجتہاد خود مماتیوں نے بھی تسلیم نہیں کیا کیونکہ اس روایت کی بنیاد پر مثلاً اماں عائشہؓ قلیب بدر میں مردوں کے سماع کے منکر تھیں اور جب ہم مماتیوں کی کتب مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں حضرت عائشہؓ سے یوں اختلاف موجود ہے کہ نیلوی صاحب ہی لکھتے ہیں:

"نبی اکرم ﷺ کی آواز اُن کافر مُردوں کو سُنادی جو بدر کے میدان میں قتل ہو کر گڑھے میں پھینک دیئے گئے تھے"

(ندائے حق ج2 ص263)

دوسری جلد میں یوں لکھتے ہیں:

"غزوہ بدر میں گندے کنویں میں پڑے ہوئے مشرک مقتولوں نے آں حضرت ﷺ کی بات سن لی تھی"

(ندائے حق ج3 ص12)

مزید یہی سماع کی بات اسی جلد کے صفحہ 18 میں بھی ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ نیلوی صاحب نے تو صراحتاً نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کر کے کہا:

"حضرت (ﷺ) نے فرمایا آیت ٹھیک ہے البتہ اس وقت یہ مقتولین بس میری بات سن رہے ہیں"

(ندائے حق ج3 ص26)

سبحان اللہ۔۔!

بس بات کنفرم ہوگئی جب نبی کریم ﷺ نے قلیبِ بدر والوں کے متعلق فرمایا کہ سن رہے ہیں تو کسی اور کی بات کب حجت ہے حدیث مرفوع کے مقابلہ میں؟

پردہ تم اپنے تعصّب کا اٹھا دو دل سے
گر ہے تمہیں منظور جلوہ جاناں حدیث

الغرض! جب خود مماتی حضرات بھی حضرت عائشہؓ کے ساتھ موافق نہیں تو پھر اپنی استشہاد کیلئے ان سے دلیل کیوں لاتے ہیں؟ لہٰذا استدلالِ حضرت عائشہؓ مماتیوں کے لئے مفید نہیں۔

تاسعًا: آپ لوگوں کے لئے اماں عائشہؓ کا استدلال اس لئے بھی مفید نہیں کہ آپ لوگوں نے خود یہ کہا ہے کہ حضرت عائشہؓ قلیب بدر کی سماع والی روایت کو قرآن کے خلاف سمجھتی تھی۔ (ندائے حق ج3 ص158) جبکہ نیلوی صاحب نے اس کے برخلاف اس حدیث کے متعلق یہ لکھا:

"اور یہ حدیث آیات قرآنیہ کے موافق ہے"

(ندائے حق ج1 ص331)

عاشرًا: مولانا واحد اللہ وحدان صاحب نے اماں عائشہؓ کو نافی سماع موتی ثابت کرنے کے لئے یہ قاعدہ استعمال کیا کہ حضرت عائشہؓ سماع الموتی کی نفی بطریق **عموم السلب** کرتی ہیں اور کسی جگہ میں سماع الموتی ثابت نہیں یہ عقیدہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا، اور پھر نیچے لکھا:

"سلب العموم۔۔یعنی ہر جگہ سماع ثابت نہیں اور ہم بھی اسی کے قائل ہے"

(مَنهل العَطشان ص36)

تو دیکھیں حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بطریق **عمومُ السلب** (مطلق و ہمہ جہت نفی —یعنی مردے ہرگز، ہر حال میں نہیں سنتے) نافی قرار دیا گیا اور خود کو بطریق **سَلبُ العُموم** (عموم کی نفی —ہر مردہ نہیں سنتا (یعنی کچھ مواقع / اشخاص سن سکتے ہیں) نافی قرار دیا۔ جب آپ کے ہاں طریق جدا جُدا ہے تو آپ لوگوں کا اور بی بی حضرت عایشہؓ کے استدلال کے طریق جدا ہوئے، لہٰذا عدم سماع موتی کے مسئلے میں بی بی عائشہؓ کا نام لینا خوش فہمی میں رہنا یا اپنے آپ کو طفلانہ تسلی دینا ہے فقط۔

حادی عشر: بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس غیر مفید (للماتیین) دلیل سے آپ لوگوں کا عقیدہ اس لئے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ اس میں اتنے احتمالات موجود ہیں جس کا نظارہ آپ لوگوں نے دیکھا تو نیلوی صاحب ہی ایک جگہ لکھتے ہیں:

"یہ آیت بھی کئی معنوں کی محتمل ہے اور احتمال سے عقیدہ ثابت نہیں ہوسکتا ہے"

(ندائے حق ج2 ص16، نیز دیکھے ج3 ص199)

لہذا یہ باصول آپ کے بھی یہ آپ کے لئے مفید نہیں ہو سکتا۔ اور رہ گئی بات امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی، تو فی الحال مختصر جواب یہ ہے کہ خود نیلوی صاحب لکھتے ہیں:

"اور حضرت امام اعظمؒ سے صراحۃً کوئی روایت نہیں ملتی، نہ سماع کی اور نہ عدم سماع کی"

(ندائے حق ج3 ص133)

بس ان جوابات پر اکتفاء کرتے ہیں ورنہ ذہن میں تو اور جوابات بھی ہے مثلا اس کو معجزہ قرار دے کر اس سے پھر استدلال نہ کرنا۔ اگر قارئین کرام تنگ ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو اس کو محدثین اور فقہاء سے پیش کرتا کہ کن کن محدثین وفقہاء نے اس سے استدلال کیے ہیں اور یا اماں عائشہؓ کا رجوع وغیرہ،

خلاصۃ التحقیق:

مسئلہ سماعِ موتی صدیوں سے علمی اختلاف کا موضوع رہا ہے اور زمانۂ صحابہؓ سے اس میں آراء کا تنوع موجود ہے۔ یہ اختلاف دراصل سماع کی کیفیت اور دائرہ سے متعلق ہے، نہ کہ اس کی مطلق نفی یا اثبات سے۔ مگر مماتی حضرات نے اس مسئلے کو بنیاد بنا کر تکفیر وتفسیق کا دروازہ کھول دیا اور اسے "مافوق الاسباب" قرار دے کر شرک وکفر قرار دیا، حالانکہ خود ان کے اکابر نے "**خرقًا للعادة سماع**" کو تسلیم بھی کیا اور ساتھ ہی اس کے کفر ہونے کا فتویٰ بھی صادر کر دیا۔ یوں ان کا اپنا عقیدہ داخلی تضاد کا شکار ہو گیا۔

علاوہ ازیں، "عند القبور" کی قید اور "مواضعِ منصوصہ" کی تاویل محض چالاکی دباؤ کی پیداوار ہیں۔ برزخی معاملات اپنی اصل میں ہی خوارق ہیں، اور اگر بلا اسباب سماع کو صفتِ خاصۂ الٰہیہ مانا جائے تو اس میں مخلوق کو شریک ماننا خود ان کے دعووں کے مطابق شرک کے زمرے میں آتا ہے۔

اس سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مماتیوں کا رویہ علمی اختلاف کو تکفیری ہتھیار بنانے کا ہے، جبکہ امت کے جلیل القدر ائمہ و محدثین نے اس مسئلے کو اختلافی ہی قرار دیا اور کبھی بھی اس کی بنیاد پر تکفیر و تفسیق کا دروازہ نہیں کھولا۔ پس ثابت ہوا کہ:

- اصل اختلاف ایک علمی و فقہی بحث ہے۔
- تکفیر و تضلیل مماتیوں کی اپنی ایجاد ہے۔
- ان کے اپنے ہی اقوال و حوالہ جات نے ان کے تضاد کو بے نقاب کر دیا ہے۔

بس اسی پر اکتفاء کرتے ہیں کیونکہ یہاں صرف ایک جھلک دکھانا تھا نہ کہ بالاستیعاب بحث کو اکھٹا کرنا۔ اللہ جل شانہ ہمیں دین حق اور علماء دیوبندؒ کے ساتھ وفات تک وابستگی کی توفیق عطاء فرمائے آمین یارب العالمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

خادم اہلسنت طاہر گل دیوبندی (قسط:۲)

مناظرہ استشفاع عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مولانا واحد اللہ وحدان صاحب

سب سے پہلے مفتی صاحب کو میں نے کہا تھا کہ محمول موضوع کے لئے ثابت کر دیجئے، دعوی صحیح لکھ کر اس کے بعد حکم لگایئے، لیکن بجائے اس کے کہ مفتی صاحب محمول موضوع کے لئے ثابت کرتے انہوں نے موضوع کے لئے حکم کو ثابت کیا ہے، اس کا جواب نہیں آیا۔

اس کے بعد میں نے ان کی تین کتابوں کے درمیان تعارض کو ثابت کیا کہ آپ نے **قسیم الشی** کو **قسم الشیٔ** بنایا ہے اور **قسیم الشیٔ** کو **عین الشیٔ** بنایا ہے اس کا جواب بھی نہیں آیا۔

پھر آپ نے شیخ طیب صاحب کی کتاب مسلک الاکابر کا حوالہ پیش کیا۔ انہوں نے لکھا ہے جو شخص قبرستان جاتا ہے تو قبر سے باہر جو شخص ہے یہ اس (میت۔ ناقل) کے لئے اللہ سے مغفرت اور دعا مانگتا ہے اور یہ مفتی رشید احمد صاحب نے بھی احسن الفتاویٰ میں لکھا ہے یہ دیکھ لیجئے گا۔

دوسری بات یہ کہ آپ کہتے ہیں کہ میں نے عبارات پیش کیے ہیں تو یہ آپ کے بڑے مولانا سرفراز خان صاحب کی کتاب دل کا سرور ہے، اِنہوں نے صفحہ ۲۱۶ پر لکھا ہے:

> ”فریقِ مخالف بعض بزرگانِ دینؒ اور صوفیاء کرامؒ کی کچھ مجمل اور گول مول عبارتیں بھی پیش کیا کرتا ہے۔“

یہ بریلوی کو کہتا ہے کہ بزرگوں کے اقوال کے پیچھے مت پڑو تو بریلویوں کے مقابلے میں ایک رنگ اور ہمارے مقابلے میں دوسرا رنگ۔

اس کے بعد آپ نے کہا تھا کہ خلاصہ کیدانی میں پوری بات نہیں ہے۔ تو بزرگوں! ہم بڑی کتابیں بھی پڑھتے ہیں یہ (اپنے معاونین کی طرف اشارہ کیا۔ ناقل) ہمارے ہم سبق ساتھی ہیں ان سے پوچھ سکتے ہیں۔ اور یہ (خلاصہ کیدانی۔ ناقل) بھی پڑھتا ہوں۔ آپ نے شامی کا ایک لفظ تو دیکھا لیکن خلاصہ کیدانی کا یہ دوسرا لفظ نہیں دیکھا۔ اِنہوں نے دونوں الفاظ لکھے ہیں جبکہ اُنہوں (شامی۔ ناقل) نے ایک لفظ اٹھایا ہے۔ ایک لفظ یہ کہ **ما فعله**

النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم مرة وترکه اخرٰی اس ترتیب کے ساتھ آپ اپنا مسئلہ ثابت نہیں کر سکتے اور دوسرا لفظ بھی ہے **وما احبه السلف** (یہ) میں نے آپ کو بتایا نہیں تھا؟ یا آپ نے سنا نہیں تھا؟ اللہ کے بندے آپ نے سنا نہیں تھا۔

اس کے آپ کہتے ہیں کہ یہاں لفظ جآءوک آیا ہے لہذا ایک خاص ہے اور ایک عام ہے۔ اللہ کے بندے جب فتویٰ کی زد میں آرہے تھے تو خود کو بچانے کے لیے کہتے ہو کہ ایک آیت عام ہے اور ایک خاص ہے۔ جب کہ آیت **فلا وربک لایؤمنون حتی یحکموک فی ما شجر بینهم** کی رو سے آپ **لایؤمنون** کے مصداق بن رہے ہیں۔ میں نے آپ کو کہا تھا کہ ایک آیت کو عام ماننا ہے تو دوسرا بھی عام مانوگے اسی طرح ایک آیت کو خاص کریں گے تو دوسری آیت کو بھی خاص کرنا ہوگا ورنہ تالی باطل مقدم مثل۔ اس کا جواب نہیں آیا۔

پھر آپ نے کہا کہ یہاں لفظ جآءوک آیا ہے ۔ تو موت کے بعد کے لیے زارکَ لفظ آتا ہے جآءوک لفظ نہیں آتا ہے۔

پھر آپ کہتے ہیں کہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مناظرہ میں میں نے **نسمة المؤمن** والی حدیث پیش کی تھی تو میں کہتا ہوں کہ میں کہا تھا کہ مومن کا روح جسم کے اندر نہیں ہوتا ہے اور اس حدیث کا میرے موضوع سے مناسبت تھا لہذا یہ بات تو بالکل ٹھیک ہے۔

پھر آپ نے کہا میں نے شیخ قاسم نانوتوی صاحب کی عبارات کو گول مول کیا ہے۔ تو میں نے کہا تھا کہ انہوں نے اس کتاب میں شہید کے جسم مثالی مانا ہے اور شہید کے جسم کو میت کہا ہے جبکہ اس پر فتویٰ لگا چکے ہیں کہ یہ معتزلی ہے ۔اور عذاب قبر کے مناظرہ میں بھی آپ نے مفتی فدا صاحب کو فرمایا تھا کہ یہ انکار حدیث اور قادیانیت ہے اور یہ معتزلہ اور خوارج کا مسلک ہے۔ تو میں یہ کہہ رہا ہوں کہ آپ نے شیخ قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی بہت بے عزتی کی ہے اور اب آپ ان سے دلیل پیش کر رہے ہیں تو آپ کے نزدیک خارجی اور معتزلی سے دلیل پیش نہیں کرنی چاہیے۔

پھر آپ شیخ حسین علی صاحب سے اعرابی کا قصہ پیش کیا تو یہ تفسیر بے نظیر ہے اور آپ کے اس بڑے (مولانا سر فراز خان صفدر صاحب۔ ناقل) نے دو کتابوں میں اس کا اقرار کیا ہے کہ یہ شیخ حسین علی صاحب کی

تفسیر ہے۔ اس تفسیر میں یہ لکھتے ہیں کہ اس واقعے کے جو راوی ہیں وہ **متہم بالکذب** ہیں۔ اور اس کے اسناد میں مزید بھی ضعیف راوی موجود ہیں۔ دوسری بات یہ کہ میرے یہ کتاب ہے جو صرف اس ایک واقعے پر لکھی گئی ہے اگر میں پورا مناظرہ اسی پر کروں تو باقی باتیں رہ جائیں گی۔

پھر آپ نے جو حدیث پیش کی کہ **ما من احد یسلم علی** تو یہ میرے پاس جلاء الافہام ہے تو اس میں شیخ الاسلام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وسئلت شیخ عن سماع یزید بن عبد الله من ابی هريرة فقال ما کان ادرکه وضعیف ففی سماع منه نظر"

تو روایت پر بھی جرح ہو گیا اور شیخ طیب صاحب کی عبارت کا جواب بھی ہو گیا۔

پھر آپ نے کہا تھا کہ اس آیت **ولو انهم اذ ظلموا انفسهم** سے کسی نے استدلال نہیں کیا ہے تو یہ میرے پاس محمد العید العباسی کی کتاب "التوسل" ہے۔ اس عالم نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

"ویطلبوا منه مباشرة أن یدعو لهم"

یعنی اس آیت کا تعلق زندگی کے ساتھ ہے موت کے بعد (استشفاع) کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہے۔

مزید، یہ میرے پاس الکشف المبدی ہے اس کے صفحہ ۱۳۲ پر یہ لکھتے ہیں:

"ولم يشترط لقبول ذلك مجيئه عند قبره"

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر کے پاس آنا شرط نہیں ہے۔

آپ کے حوالہ جات) کے جواب میں، میں نے بھی حوالہ جات دیئے۔

پھر آپ نے کہا تھا کہ آیت **ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جآءوك فاستغفر الله واستغفر لهم الرسول** سے استشفاع عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہے۔ تو مولوی صاحب اس آیت کا ترجمہ کریں اور بتائیں کہ کس لفظ سے استشفاع من النبی عند قبر النبی ثابت ہے۔

دوسری بات یہ کہ میں نے اپنا دعویٰ پیش کیا تھا کہ (استشفاع کا۔ ناقل) یہ انداز ثابت نہیں ہے۔ اور میں نے یہ بھی کہا تھا علماء نے اس کو شرک کہا ہے۔ سب سے پہلے میں اس پر آیت کریمہ پیش کرتا ہوں۔ قرآن کریم

میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں والذین اتخذوا من دون الله (صحیح من دونہٖ ہے۔ناقل) اولیآء ما نعبدهم الآ لیقربونا الی اللّٰه زلفٰی۔ اس آیت کو دیکھو اور یہ میرے پاس (کتاب) زیارة القبور ہے اس میں انہوں نے لکھا ہے:

"وان قال أنا أسئله لکونهٖ أقرب الی اللّٰه منی لیشفع لی فی هذه الامور لأنی أتوسل الی اللّٰه بهٖ فهذا من افعال المشرکین والنصارٰی فانهم یزعمون انهم یتخذنون احبارهم و رهبانهم شفعآء یستشفعون"

یعنی یہ مشرکین اور نصاریٰ کے افعال میں سے ہے۔

اس کے بعد دوسری آیت لاتے ہیں:

"ام اتخذوا من دون اللّٰه شفعآء قل اولو کانوا لا یملکون شیئا ولا یعقلون"

اس کے بعد ایک اور آیت لاتے ہیں:

"ما لکم من دونهٖ من ولی ولا شفیع أفلا تتذکرون"

"من ذا الذی یشفع عنده الا باذنهٖ"

مولوی صاحب یہ حوالہ میرا اپنا نہیں ہے کہ مجھ پر فتویٰ لگاؤ بلکہ زبان میری ہے بات ان کی۔

(تبصرہ: وحدان صاحب نے یہاں خلط مبحث سے کام لیا ہے اس عبارت پر اصل رسالہ میں جو عنوان لگا ہے وہ یہ ہے "ان یسأله حاجتهٖ ویطلب منه الفعل "یعنی یہاں مسئلہ صاحب قبر سے حاجات مانگنے کا ہے جس کے ہم قائل ہی نہیں ہیں۔ ہماری بحث آپ ؐ سے دعا کی درخواست کرنے میں ہے اور اس مسئلہ میں اگرچہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جمہور اہل السنت والجماعت سے الگ موقف اختیار کیا ہے لیکن انہوں نے بھی اس کو شرک نہیں کہا ہے جیسا کہ وحدان صاحب نے دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے بلکہ اس کے بارے میں شیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا موقف وہ جو اسی رسالہ میں دو صفحات کے بعد ذکر کیا ہے ملاحظہ فرمائیں:

”وان قلت هذا اذا دعا الله اجاب دعاءه أعظم مما يجيبه اذا دعوته، فهذا هو ”القسم الثانى“ وهو ان تطلب منه الفعل ولا يدعوه ولكن تطلب ان يدعو لك، كما تقول للحي : ادع لي، وكما كان الصحابة رضوان الله اجمعين يطلبون من النبي صلي الله عليه وآله وسلم الدعاء، فهذا مشروع في الحي كما تقدم.وأما الميت من الأنبيآء والصالحين وغيرهم فلم يشرع لنا ان نقول:ادع لنا...(آگے چل کر لکھتے ہیں) بل هو بدعة.

یعنی ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے تحقیق میں چونکہ اس طرح دعا کی درخواست کرنا ثابت نہیں ہے لہذا اسے بدعت کہا۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس طرح دعا کی درخواست کرنا بھی ثابت ہے اس کے متعدد حوالے حضرت مفتی ندیم صاحب حفظ اللہ نے اس مناظرہ میں دیئے ہیں۔ طاہر گل دیوبندی)

اس کے بعد یہ میرے پاس تفسیر مفتی محمود ہے، شیخ مفتی محمود رحمہ اللہ کی۔ اس میں انہوں نے اسی آیت کے نیچے لکھا ہے:

”کسی کی قبر ہو یا کوئی میت ہو تو کوئی قبر یا میت کسی انسان کی مدد نہیں کر سکتی۔ ان کو صاحب اختیار سمجھنا اور یہ مشرکین تو کہا کرتے تھے کہ ہم ان بتوں کی عبادت ان کی ذات کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ اس وجہ سے کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیتے ہیں۔“

یہاں انہوں نے مشرکین کا قول پیش کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم اسے (قبر یا میت کو) واسطہ مانتے ہیں۔ لیکن یہ دیکھیں شیخ سرفراز خان صفدر صاحب سماع موتیٰ صفحہ ۱۰۳ پر لکھتے ہیں:

”(ہم جو استشفاع کرتے ہیں۔ وحدان) یہ کسی مقبول اور برگزیدہ بندے کا واسطہ اور سفارش ہوتی ہے۔“

یعنی ان کے نزدیک بھی یہ واسطہ ہے۔ اب یہاں سماع موتیٰ میں اسے واسطہ کہا ہے اور گلدستہ توحید میں فرماتے ہیں کہ مشرکین کا طریقہ واردات یہ تھا کہ شرک کرتے تھے اور پھر کہتے تھے کہ ہم اسے بالذات مستقل نہیں مانتے بلکہ اسے واسطہ مانتے ہیں۔ تو یہ مشرکین کا طریقہ واردات ہے۔

آپ استشفاع کا قول کرتے ہیں اور جو آیت پیش کیا ہے اس میں اس کا بُو بھی نہیں ہے تاکہ آپ کا استدلال اس سے تام ہو۔

یہ میرے پاس تفسیر کشف الرحمٰن ہے اس میں انہوں نے اس آیت کے نیچے حدیث نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”بخاری نے جابر بن عبد اللہ سے نقل کیا ہے جو شخص اذان سن کریوں کہتا ہے **اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلوٰة القائمة آت محمدن الوسيلةوالفضيلة وابعثه مقاما محمودن الذي وعدته** تو ایسے شخص کے لئے قیامت کے دن میری شفاعت حلال ہو گی۔“

تو بزرگوں یہ الفاظ کہا کریں تو شفاعت مل جائے گا۔ اس دوسری (استشفاع والی) بات کو تو کچھ علماء نے شرک کہا ہے اور آپ نے جو علماء کے اقوال نقل کیے ہیں تو اس کے لیے یہ یاد رکھیں کہ ہدایہ کا حوالہ موجود ہے کہ محرم اور مباح کے درمیان اختلاف آجائے تو ترجیح محرم کو دی جائے گی لہذا میں اسی کو ترجیح دیتا ہوں۔

اب میں کہتا ہوں اگر شفاعت چاہیے اور اللہ کے نبی کی شفاعت کی امید رکھنی ہے تو اذان کا جواب دیا کریں اللہ کے نبی نے فرمایا ہے کہ آپ کی شفاعت ہو جائے گا۔ لہذا اسی پر عمل کریں۔ اللہ ہمارا شفاعت نصیب کرے۔

آگے (تفسیر کشف الرحمٰن میں) مسلم کی حدیث کا بھی حوالہ دیا گیا ہے:

”جس طرح مؤذن کہتا ہے اسی طرح تم بھی کہو (آگے لکھا ہے) جو شخص میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ طلب کرے گا اس کے لیے میری شفاعت حلال ہو گی۔“

میں کہتا ہوں کہ اسی طریقے پر ہم چل رہے ہیں اور ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ اپنی نبی کی شفاعت ہمیں دے گا۔

یہ میرے پاس **الصارم المنکی** ہے اس نے لکھا ہے:

”**عن علی بن حسين** (یہ زین العابدین رحمہ اللہ ہیں۔ وحدان) **انه رأى رجل يجيئ الى فرجة كانت عند قبر النبي** ﷺ **فيدخل فيها فيدعو ، فنهاه فقال: لا تتخذو قبري عيداً، ولا بيوتكم قبوراً ، فإن تسليمكم يبلغني أينما كنتم.**

اس سے میرا استدلال یہ ہے کہ روایت میں قبر کے پاس دعا سے منع کیا گیا ہے۔ اور یہ میرے پاس آپ کے شیخ عزیز الرحمن صاحب کی کتاب "اکابر کا مسلک و مشرب" ہے۔ اس میں لکھا ہے:

"روضہ شریف پر عرض کر دیا کرو وہ خود بھی مدینہ شریف حاضر ہونے والے ہر شخص سے اپنا سلام عرض کرتے اور دعا اور توجہ کی درخواست کرتے۔"

یعنی یہ قبر کے پاس دعا کرتے جبکہ ذین العابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو منع کیا تھا جو قبر کے پاس (دعا کے لیے) آتا۔ تو ہم بھی اللہ کے نبی کے نواسے کے طریقے پر چل رہے ہیں اور اسی پر خوش ہیں، الحمدللہ۔

اور یہ (شیخ عزیز الرحمن صاحب۔ ناقل) لکھتے ہیں:

"ایک خادم کے پاس اقامہ نہیں تھا۔ اس کو فرمایا کہ جاؤ روضہ اقدس پر جا کر عرض کرو کہ میرے پاس اقامہ نہیں ہے۔"

ھاھاھا یہ کون ہے؟ اکابر کا مسلک و مشرب۔ اور میں نے حوالہ پیش کر دیا تھا کہ انہوں (ذین العابدین رحمہ اللہ) نے منع فرمایا تھا۔ آگے اسی حدیث کو ایک اور سند سے بھی لائے ہیں کہ:

"لا تتخذوا بيتي عيداً فإن تسليمكم يبلغني"

دوسری جگہ یوں لائے ہیں:

"لا تجعلوا بيوتكم قبورا ولا تجعلوا قبري عيداً فإن صلوٰتكم تبلغني حيث كنتم.

(وقت ختم)

مفتی محمد ندیم محمودی صاحب مدظلہ العالی

دو ٹرن ہو گئے ہیں لیکن وحدان صاحب نے جو دعویٰ دیا ہے اس پر بحث کریں گے تو وقت ضائع ہو گا بہر حال انہیں خود بھی نہیں پتہ کہ یہ دعویٰ ہے یا جواب دعویٰ ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وحدان صاحب اپنے اس عقیدہ پر (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر مبارک کے پاس آنا اور دعا اور شفاعت کی درخواست کرنا شرک ہے) پر ایک قطعی الثبوت اور الدلالت دلیل پیش کرتے لیکن ابھی تک نہ ایسا کوئی دلیل پیش کیا ہے اور نہ قیامت

کی صبح تک پیش کر سکتے ہیں۔ البتہ فلاں نے یہ لکھا ہے وہ لکھا ہے وغیرہ عبارات کو گول مول کرنا اور اس کا خود ساختہ مطلب نکالنا الگ بات ہے۔

پھر اس نے کہا کہ شیخ طیب صاحب نے لکھا ہے کہ باہر سے سلام کرنا یہ دعا ہے۔ تو (وحدان صاحب!) یہ دعا تو اندر میت سے بھی ثابت ہو گیا نا حدیث سے۔ تو دعا اندر اور باہر دونوں سے ہو گئی اور اسی میں ہماری بحث چل رہی ہے۔

پھر کہتے ہیں کہ شیخ صفدر صاحب نے لکھا ہے کہ صوفیاء کرام کے اقوال حجت نہیں ہے۔ تو جناب میں نے امام مالک، شیخ نانوتوی، مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہم اللہ کو پیش کیا ہے کیا یہ سب حضرات صوفیاء ہیں؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جہاں تک مستحب کی تعریف کی بات ہے تو یہ ویڈیو دیکھ کر عوام فیصلہ کریں گے کہ مستحب کی تعریف میں تین باتیں ذکر کی گئی تھی ایک ان میں سے **ما احبه السلف** بھی ہے یعنی مستحب وہ ہے جسے سلف نے پسند کیا ہے اور فقہاء، محدثین، متکلمین سب نے حتی کہ اکابرین علمائے دیوبند نے بھی یہ لکھا ہے تو کیا یہ سب آپ سلف اور اکابرین نہیں لگ رہے؟

پھر اس نے کہا کہ فلاں واقعہ کی سند ضعیف ہے حالانکہ وہ میں نے ابھی تک پیش بھی نہیں کیا ہے لیکن مولوی صاحب اگر روایات میں ضعف آ بھی جائے (اگرچہ یہ ضعیف نہیں ہے میں آگے چل کر آپ کو یہ پیش کروں گا) تو میں نے استحباب کا حکم لگایا ہے اور آگے چل کر حوالے پیش کروں گا کہ سب کے نزدیک استحباب اور مستحبات میں ضعف مضر نہیں ہے۔

پھر کہتے ہیں کہ فلاں حدیث جو آپ نے پیش کیا ہے وہ ضعیف ہے تو مولوی صاحب مناظرہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اسی طرح کے احادیث کو میں نے متواترات ثابت کیا تھا کہ **والمتواترات لا يبحث عن رجاله بل يجب العمل به من غير بحثٍ** وہاں (مناظرہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں) پندرہ حوالے میں نے اس پر پیش کیے تھے لہذا اس پر بات نہ کریں۔

پھر مولوی صاحب نے عبارت پیش کی کہ دعا کی قبولیت کے لئے قبر کے پاس آنا شرط نہیں ہے تو مولوی صاحب ہم نے کب کہا ہے کہ یہ شرط ہے۔ ہم نے تو استشفاع کو استحباب کے درجے میں لیا ہے۔ آپ کو کہتے ہیں

تھوڑا اس پر تو سوچیئے۔ اور اس کے لیے آپ نے دلیل لایا کہ **ما نعبدھم الآ لیقربونا** تو مولوی صاحب ہم ان کی عبادت کرتے ہیں یا صرف شفاعت کی درخواست کرتے ہیں؟ یہ بھی دیکھیں کہ دنیا میں نبی علیہ السلام کے پاس دعا کی درخواست کے لیے آنا آپ بھی مانتے ہیں یا پھر آپ اس کو بھی ناجائز کہتے ہیں؟ اگر جائز مانتے ہیں تو **ما نعبدھم الآ لیقربونا** وغیرہ آیات کے تحت یہ نہیں آرہا ہے؟ اگر نہیں آتا ہے تو پھر یہ (وفات کے بعد قبر پر دعا کی درخواست کے لیے آنا) کس دلیل سے آتا؟

پھر آپ نے مفتی محمود رحمہ اللہ کا حوالہ پیش کیا تو اس میں مدد کرنا اور صاحبِ اختیار سمجھنا لکھا ہے اور ان میں سے کسی بھی چیز کے قائل نہیں ہیں۔ مفتی محمود رحمہ اللہ کا حوالہ بھی ہم آگے چل کر پیش کریں گے۔

پھر آپ نے **الصارم المنکی** کا حوالہ پیش کیا ہے تو یہ یاد رکھیں کہ اس مسئلہ میں تمام امت کے برخلاف علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (جن کی ہم احترام کرتے ہیں ان کی نہ بے ادبی کرتے ہیں اور نہ ان کو کافر کہتے ہیں البتہ ان کے کئی تفردات ہیں مثلاً ان کا موقف ہے کہ حالت حیض میں طلاق واقع نہیں ہوتا، تین طلاق تین واقع نہیں ہوتے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ذات وصفات میں بعض باتیں ان کی اہل السنت سے خلاف ہیں) اسی طرح اس مسئلہ میں **الصارم المنکی** اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ یہ تینوں حضرات پوری امت کے مخالف ہیں لیکن انہوں نے بھی اس کو شرک نہیں کہا ہے جبکہ آپ اسے شرک کہہ رہے ہیں۔ معتزلہ اور خوارج کی مماتیوں کا بھی یہ نظریہ پوری امت میں کسی کا نہیں ہے۔

پھر آپ نے حدیث پیش کیا کہ **لا تتخذوا قبری عیداً** تو ہم نے کب یہ کہا ہے؟ اس مسئلے کا موضوع سے کیا تعلق ہے؟ آپ کا دعویٰ کیا اور دلائل کیا پیش کر رہے ہیں لوگ آپ پر ہنسیں گے۔

پھر آپ نے کہا کہ ہزاروی صاحب رحمہ اللہ نے کہا کہ قبر کے پاس جا کر عرض کرو کہ میرے پاس اقامہ نہیں ہے تو مولوی صاحب اس میں کیا ہے؟ مطلب تو یہ ہے کہ قبر پاس جاؤ اور توسل اور دعا کی درخواست کرو کہ میرے پاس اقامہ نہیں ہے اللہ سے مانگے۔ تو مولوی صاحب مانگنا تو اللہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہے بات کو گڈمڈ نہ کریں۔

پھر آپ نے تو اس مسئلہ کو شرک کہا لیکن یہ آپ کی کتاب ہے "شیخ القرآن مولانا محمد طاہر صاحب پنج پیری کی حیات وخدمات" مصنف ہیں مولانا محمد الیاس صاحب۔ اس کا صفحہ نمبر ۳۰۷ ہے:

”مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ استشفاع عند قبر النبی، سماع عند القبر وغیرہ فروعات میں جزئی اختلاف سمجھتے تھے۔“

آپ کہتے ہیں کہ شرک ہے اب پتہ نہیں آپ کا بڑا صحیح کہہ رہے ہیں یا آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔ پھر یہ بھی دیکھیں کہ سلام کے مسئلہ میں اقامۃ البرہان والے نے بھی لکھا کہ یہ دعا ہے اور اندر سے جواب بھی ملتا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے:

”بلکہ زائرین کا سلام سننے اور اس کا جواب دینے کے لیے“

اب تو زائر کا لفظ بھی آگیا لہذا اب تو اپنی ضد چھوڑ کر اس بات کو مان لو۔

میں ایک بار پھر آپ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ اپنے اس دعویٰ پر (کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر کے پاس آنا اور شفاعت کی درخواست کرنا شرک ہے) ایک قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت دلیل پیش کریں۔ میں مناظرہ کے آخر تک یہ مطالبہ کرتا رہوں گا لیکن آپ ان شاء اللہ سوائے عبارات کو گول مول کرنے کے ایک بھی دلیل پیش نہیں کر سکیں گے۔

دلیل نمبر ۳:

اب میں اپنی تیسری دلیل کی طرف آتا ہوں۔ یہ مسلم شریف جلد ۲ صفحہ نمبر ۲۶۸ ہے:

”عن انس بن مالك ان رسول الله صلي الله عليه وسلم قَالَ أَتَيْتُ وَفِي رِوَايَةِ هَدَّابٍ مَرَرْتُ عَلَى مُوسَى لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي عِنْدَ الْكَثِيبِ الأَحْمَرِ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ

حضرت انس بن مالک (رض) سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا میں آیا اور ہداب کی روایت میں ہے کہ معراج کی رات میں حضرت موسیٰ کے پاس سے گزرا اس حال میں کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کثیب احمر کے پاس اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔

اب دیکھیں مولوی صاحب انبیاء کرام علیہم السلام کا عند القبر سماع اہل السنت والجماعت کے نزدیک اتفاقی مسئلہ ہے اور پھر جیسے کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے اہل السنت والجماعت کا اتفاقی مسئلہ ہے کہ انبیاء کرام

علیہم السلام اپنی قبور میں نماز بھی پڑھتے ہیں۔ اب جب قبر میں نماز ثابت ہو گیا تو نماز میں دعائیں بھی ہوتی ہیں تو مستشفی کے لئے شفاعت کی درخواست کرنا بطریق اولیٰ ثابت ہو گیا۔

دلیل نمبر ۴:

یہ مسند البزار جلد نمبر ۳ صفحہ نمبر ۹،۱۰ ہے:

”وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «حَيَاتِي خَيْرٌ لَكُمْ تُحَدِّثُونَ وَنُحَدِّثُ لَكُمْ، وَوَفَاتِي خَيْرٌ لَكُمْ تُعْرَضُ عَلَيَّ أَعْمَالُكُمْ، فَمَا رَأَيْتُ مِنْ خَيْرٍ حَمِدْتُ اللَّهَ، وَمَا رَأَيْتُ مِنْ شَرٍّ اسْتَغْفَرْتُ اللَّهَ لَكُمْ»

اس روایت میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”میری زندگی تمہارے لیے بہتر ہے، تم بات کرتے ہو اور میں تمہیں جواب دیتا ہوں۔ اور میرا وصال بھی تمہارے لیے بہتر ہے، تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ پس جو بھلائی دیکھتا ہوں اللہ کی حمد کرتا ہوں، اور جو برائی دیکھتا ہوں تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں“

نیچے لکھتے ہیں:

”واورده الهيثمى فى المجع وقال رواه البزار ورجاله رجال الصحيح“

مولوی صاحب یہ بخاری کی سند ہے۔

دلیل نمبر ۵:

یہ میرے پاس تفسیر قرطبی ہے اس کی جلد نمبر ۶ صفحہ نمبر ۴۳۹ پر روایت ہے:

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَدِمَ عَلَيْنَا أَعْرَابِيٌّ بَعْدَ مَا دَفَنَّا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بِثَلَاثَةِ أَيَّامٍ، فَرَمَى بِنَفْسِهِ عَلَى قَبْرِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَحَثَا عَلَى رَأْسِهِ مِنْ تُرَابِهِ، فَقَالَ: قُلْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَسَمِعْنَا قَوْلَكَ، وَوَعَيْتَ عَنِ اللَّهِ فَوَعَيْنَا عَنْكَ، وَكَانَ

فِيمَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ﴾ الْآيَةَ، وَقَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِي وَجِئْتُكَ تَسْتَغْفِرُ لِي. فَنُودِيَ مِنَ الْقَبْرِ: إِنَّهُ قَدْ غُفِرَ لَكَ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا:

ہمارے پاس ایک دیہاتی آیا، رسول اللہ ﷺ کی تدفین کے تین دن بعد۔ تو وہ رسول اللہ ﷺ کی قبر پر گرا اور اپنی ٹی سر پر قبر کی ڈالی، اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تھا اور ہم نے آپ کا فرمان سنا۔ آپ نے اللہ سے سمجھا اور ہم نے آپ سے سمجھا۔ اور جو اللہ نے آپ پر نازل فرمایا تھا اس میں یہ آیت بھی تھی: ﴿اور اگر وہ جب اپنے نفسوں پر ظلم کر بیٹھیں تو آپ کے پاس آجائیں الآیۃ﴾ اور میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اور آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ آپ میرے لیے مغفرت طلب کریں۔"

تو قبر سے آواز آئی: "بے شک تجھے بخش دیا گیا۔"

یہ دیکھیں مولوی صاحب صحابہ کرام کا زمانہ ہے اور خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور قبر کے پاس آنے کا بھی ذکر ہے۔ اب اس کے بعد بھی اگر آپ گول مول کریں گے کہ فلاں نے یہ لکھا ہے وہ لکھا ہے تو یہ خالص دجل ہو گا۔ ان شاء اللہ عوام فیصلہ کریں گے۔

یہی روایت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ معارف القرآن جلد ۲ صفحہ ۵۱۷ پر بھی نقل کرتے ہیں:

”حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو اس کے تین دن بعد ایک گاؤں والا آیا، اور قبر شریف کے پاس آکر گر گیا، اور زار زار روتے ہوئے آیت مذکورہ کا حوالہ دے کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا ہے کہ اگر گناہگار رسول کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور اور رسول اس کے لیے دعائے مغفرت کر دے تو اس کی مغفرت ہو جائے گی، اسی لئے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں، تو اس وقت جو لوگ حاضر تھے ان کا بیان ہے کہ اس کے جواب میں روضہ اقدس کے اندر سے آواز آئی **قد غفر لك**، یعنی مغفرت کر دی گئی۔ (بحر محیط)

اب دیکھیں یہ مفتی شفیع صاحب ہیں اور جو الفاظ میں نے اپنے دعویٰ میں لکھے ہیں انہی الفاظ سے استدلال کرتے ہیں۔ اب اسی جگہ توبہ کیجئے اور اس (مسئلہ) میں مزید چالبازی نہ کریں۔

یہ مولانا حسین علی صاحب (کی کتاب تحریرات حدیث) ہے صفحہ ۳۹۶ پر لکھتے ہیں:

"عن علی أنه بعد ما دفن صلى الله عليه وسلم جاء أعرابى فقال يا رسول الله جئتك تستغفرلي إلي ربي فنودي من قبره الشريف: قد غفر لك"

مولوی صاحب یہ تحریرات حدیث ہے یہاں روایت میں صاف لکھا ہے کہ میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ یہ مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ ہیں یہ آپ کا سند ہے، اس کے خلاف حوالہ ان کی طرف منسوب کرنا ان کی کتابوں میں تضادات ثابت کرنا ہے۔ کیا آپ اس کے لیے یہاں آئے ہیں؟ کیا آپ اپنے سند کا دفاع نہیں کرسکتے؟ کیا زبردستی انہیں مشرک ثابت کرنا ہے؟ یہ کتاب آپ کے پنج پیری حضرات نے اپنے مکتبہ سے بغیر کسی نکیر کے شائع کیا ہے۔

دلیل نمبر۶:

یہ میرے پاس علامہ ظفر احمد عثانی صاحب رحمہ اللہ (جو برصغیر کے نامور شخصیت ہیں) کی کتاب اعلاء السنن ہے اور یہ علماء دیوبند احناف کی کتاب ہے اس میں حضرت یہی آیت ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ﴾ الآیۃ، استشفاع کے لئے بطور استدلال لاتے ہیں اور آگے فرماتے ہیں:

"وقد صح عن أبى أيوب الانصارى أنه قال لمن أنكر عليه وضع وجهه على القبر، إنما جئت رسول الله صلي الله عليه وسلم ولم آت اللبن أو الحجر"

"اور حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے یہ بات ثابت ہے کہ جب ایک شخص نے ان پر قبرِ مبارک پر اپنا چہرہ رکھنے کی وجہ سے اعتراض کیا، تو انہوں نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، نہ کہ اینٹ اور پتھر کے پاس"

مولوی صاحب! علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب عظیم محدث بطور استدلال کے یہ آیت اور روایت نقل کر رہے ہیں۔

یہ دلائل میں نے پیش کر دیئے ہیں مزید ان شاء اللہ آگے دلائل کا انبار لگاؤں گا۔

مولوی صاحب جتنے عبارات آپ پیش کر رہے ہیں کسی کا بھی آپ کے موقف سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا عبارات کو گول مول نہ کریں بلکہ صرف ایک آیت یا حدیث پیش کریں کہ جس میں یہ ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر مبارک کے پاس آنا اور شفاعت کی درخواست کرنا شرک ہے۔ یہ میری طرف سے دنیائے پنج پیریت (مماتیت) کو چیلنج ہے اور ان شاء اللہ کبھی یہ ایسا دلیل پیش نہیں کر سکیں گے۔ عبادت کی نفی پر آیتیں پیش نہ کریں ہمارا بحث اس میں نہیں ہے بلکہ بحث (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے) قبر کے پاس آنے اور دعا کی درخواست کرنے میں ہے۔

(وقت ختم)

(جاری)

شرائط و ضوابط

مضامین لکھنے والے حضرات چند باتوں کا خیال رکھیں!

1) اہل علم کے ساتھ رائے کا اختلاف آپ کا حق ہے اور یہ حق آپ سے کوئی بھی نہیں چھین سکتا۔ لہٰذا آپ ہزار بار اختلاف رکھیں لیکن کسی کی ذات پہ کیچڑ اچھالنے کی کوشش نہ کریں۔

2) علمی تنقید کریں اور الفاظ کے چناؤ میں مہذب انداز اختیار کریں۔

3) تنقیدی انداز اپنانے کے لئے اگر آپ حضرات درجہ ذیل اکابرین کا انداز اپنائیں تو ان شاء اللہ آپ کی علمی تنقید کسی کی اصلاح کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے اور مخاطب سمجھے گا کہ مضمون نگار اللہ کے رضا کیلئے لکھ رہا ہے کسی کی ذات پہ نشتر لگانے کے لیے میدان میں نہیں اترا ہے۔

۱: امام اہل سنت شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ

۲: قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ

۳: حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

۴: بحر العلوم سلطان المحققین علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ

۵: شہید ختم نبوت حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

4) مضامین میں احتیاط سے کام لے۔ حتی الوسع کوشش کریں کہ جہاں سے بھی آپ نے استفادہ کیا ہو، ان کا حوالہ ضرور دیں۔ ورنہ ایسی صورت میں آپ کے مضامین مجلہ راہِ ہدایت میں شائع نہیں ہوں گے۔

5) ہمارا مجلہ چونکہ خالص مسلکی ہے اس لیے عقائد و نظریات سے ہٹ کر کوئی صاحب بھی مضمون بھیجنے کی زحمت نہ کریں۔

6) مجلہ راہِ ہدایت میں صرف اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند کے مضامین شائع ہوں گے۔

نوجوانانِ احناف طلباءِ دیوبند پشاور